UNIVERSAL LIBRARY

OU_188532

UNIVERSAL LIBRARY

15322
OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY
Author
Title
Acc 15322

1975 15322

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۱۵۴۹۵ Accession No. ۱۵۳۲۲

ی - ک

Author یوسف، سید

Title سیر و سیاحت

This book should be returned on or before the date last marked below.

۱۲۹

یہ دلّی ہے

سیّد یوسف بخاری دہلوی

مکتبۂ جہاں نما۔ دھلی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ

طبع اوّل | فروری ۱۹۳۳ء | ایکہزار

مطبوعہ جمال پریس دہلی

قیمت دو روپے

فہرست

پیش لفظ ۵

تقریظ از ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب ۷

دِلّی کی گلیاں ۹

دِلّی کا ایک محلہ ۲۵

دِلّی والے اور شاہی زمانے کی عید ۴۱

دِلّی کی شادی ۵۷

دِلّی کے "کرخندار" ۷۷

دِلّی کے دھوبی ۹۹

دِلّی کے شہدے ۱۲۷

دِلّی کا مکتب ۱۴۵

دِلّی کی پتنگ بازی ۱۶۳

ابا مرحوم مغفور کے نام

پیش لفظ

دِلّی مِٹ گئی، دِلّی والے خاک میں جا سوئے مگر دِلّی اور دِلّی والوں کی تہذیب آج بھی تاریخ کا سب سے زیادہ رنگین، دل آویز اور دیدہ افروز صفحہ ہے۔ ان تمام مضامین میں دِلّی کی اُسی قدیم معاشرت اور تہذیب کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس نے دِلّی کی شہرت کو چار چاند لگائے اور اُسے غیر فانی اور لاثانی بنایا۔ افسوس! وہ مذاق اب رفتہ رفتہ فنا ہوتا جا رہا ہے لیکن اس کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ آج سے نصف صدی پہلے کی وہ باتیں اب بھی دردمند دلوں کو آٹھ آٹھ آنسو رُلاتی اور تڑپاتی ہیں اور جب کبھی اُس زمانے کی یاد آئیگی تو کلیجہ توڑ دیگی۔

اس مجموعہ میں "دِلّی کے شہدے" اور "دِلّی کی پتنگ بازی" دونوں بالکل نئے مضمون ہیں، باقی مضامین آل انڈیا ریڈیو، دہلی سے تقاریر یا فیچر کی صورت میں وقتاً فوقتاً نشر ہو چکے ہیں لیکن یہاں اُن کو کافی ترمیم

وا یزاد کے بعد شامل کیا گیا ہے۔ کیونکہ اپنے موضوع اور بحث کے اعتبار سے اُن میں گھٹانے اور بڑھانے کی کافی صلاحیت تھی۔ اس کے بغیر وہ تشنہ رہتے۔

ان صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خیالی باتیں نہیں، گذرے اور بیتے ہوئے واقعات ہیں، اِن کو تحقیق کرنے کے لئے مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا، دِلّی کے اکثر اُن بزرگوں سے ملا جو اِس مٹی کے موٹا م ہیں اور اُن لوگوں میں بھی پہونچا جن سے متعلق بعض مضامین ہیں اور اِس طرح جو کچھ حاصل کر سکا وہ پیش کر دیا پھر بھی آپ سے یہ استدعا ہے کہ اگر آپ کی تحقیق اور مطالعہ میں کوئی بات غلط یا نئی ثابت ہو تو براہ کرم مجھے اُس سے ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ دوسرے ایڈیشن میں اسکا خیال رکھا جائے۔ اِسی ضمن میں یہ عرض کر دوں کہ "دِلّی کے شہدے" والے مضمون میں صفحہ ۱۴۱ پر حضرت امیر کے نام سے جو شعر درج کیا گیا ہے وہ امیر کی بجائے حضرت حالی مرحوم کا ہے ناظرین پڑھتے وقت اس کی صحت فرمالیں۔

سید یوسف بخاری
گلی امام۔ اردو بازار۔ دہلی

تقریظ

از

ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو (ہند)

یوں تو دلّی پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن سید یوسف بخاری صاحب نے اِس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ خاص چیز ہے اور اِن چیزوں کا لکھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی چھوٹی چھوٹی اور چھپی ڈھکی باتوں سے انہیں ایسی گہری واقفیت کیونکر حاصل ہوئی۔ آنکھ، کان، غور و فکر اور تخیل سے کام لینے کے علاوہ انھوں نے تلاش و تحقیق میں بھی بڑی کاوش کی ہے۔ ایسے مضمون وہی لکھ سکتا ہے جو بقول میر امّن کے دِلّی کا روڑا ہو اور ساتھ ہی لکھنے کا سلیقہ رکھتا ہو جس مضمون کو لیا ہے اُس کا نقشہ ایسی زبان میں اور ایسے ڈھنگ سے کھینچا ہے کہ پورا سماں آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

جس عید کی کیفیت آپ اِس کتاب میں دیکھیں گے وہ آجکل کی عید نہیں اور نہ پھر کبھی ایسی عید آئیگی۔ یہ شاہی زمانے کے ساتھ تھی اور اُس کے ساتھ یہ بھی گئی۔ سید یوسف صاحب نے نہ معلوم کہاں کہاں سے کھوج لگا کر ایک ایک بات نکالی ہے اور پھر اُن کو ایک سلسلہ میں جوڑ کر کیسا دلچسپ مضمون

بنادیا ہے۔ یہ خیالی باتیں نہیں، سچے واقعات ہیں۔ باقی دوسرے مضامین مثلاً دلی کی گلیاں۔ دلی کا ایک محلہ۔ دلی کے "کرخندار" دلی کے شہدے، دلی کے دھوبی' دلی کی پتنگ بازی وغیرہ بھی ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ ہر جماعت، ہر فرقے اور ہر فن والے کی بولی، اُنکے خاص خاص محاورے اور اصطلاحیں، اُنکے لب و لہجے کی نقل، آپس کی نوک جھونک بڑی خوبی سے دکھائی ہے۔ یوں تو ہر مضمون پُر لطف ہے لیکن پتنگ بازی کا بیان بڑی معلومات کا ہے۔ پتنگ بازی کے معرکے، کامل استادوں کا ذکر، پتنگ کی قسمیں، لڑانے کا ڈھنگ، اُس کی اصطلاحات سب اپنے اپنے موقع پر خوب بیان کی ہیں۔ آخر میں مختلف قسم کے پتنگوں کی شکلیں اور اُن کے نام بھی دیئے ہیں۔

غرض یہ کتاب بہت ہی دلچسپ ہے۔ دلچسپی کے علاوہ اس میں بہت سی کام کی باتیں بھی ہیں، آپ اس میں بہت سے نئے لفظ، نئے محاورے اور نئی معلومات پائیں گے۔ سید یوسف صاحب بخاری کا طرزِ بیان دلکش ہے اور اس کے ساتھ شوخی و ظرافت کا بھی چٹخارا ہے۔ زبان سادہ، شگفتہ اور دلی کی زبان ہے اور ہر بیان اور موقع کے مناسب ہے۔ کتاب پڑھنے کے بعد یہ کہنا پڑتا ہے کہ "یہ دلی ہے"!

عبدالحق

۲۰ رفروری ۱۹۴۳ء

دِلّی کی گلیاں

کون جائے ذوقؔ پر دِلّی کی گلیاں چھوڑ کر

دِلّی کی وجہ تسمیہ،
غدر سے قبل
اور ما بعد کے
حالات پر ایک
طائرانہ نظر کر
خصوصیت سے
دلّی کی اُس
معاشرت اور
تہذیب و تمدن
کو روشنی میں لایا
گیا ہے جو دِلّی کے
گلی کوچوں بازاروں
اور عمارتوں سے
متعلق ہے ۱۲

یہ دِلّی ہے، دِل لینے والی دِلّی، جسے لوگ ہندوستان کا دِل سمجھتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ یہ سارے جہاں کا دِل ہے، دِلّی! یعنی اندرپرست موہنا جس میں راجہ اندر کے جشن ہوا کرتے تھے اور ہندو پجاری اس دِلّی میں پوجا پاٹ کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں، وہی موہنا دِلّی جس نے راجہ ڈھلو حاکمِ قنوج کا دل موہ لیا تھا جو دِلّی کو "دہلو" کہتا تھا، وہی دِلّی جو کچھ مدت شیرشاہی دِلّی کہلائی پھر ہمایونی دلّی بنی اور بالآخر شاہجہاں آباد ہوگئی۔ لال قلعہ تعمیر ہوا، تختِ طاؤس رکھا گیا، بادشاہ اور وزیروں کے اونچے اونچے محل بنے، شاہی امیروں کی عالی شان حویلیاں تیار ہوئیں، عمدہ عمدہ باغات لگے، نہریں جاری ہوئیں، حوض بنائے گئے، فوارے لگائے گئے، شہر کی فصیل، بڑے بڑے دروازے چوڑی چوڑی سڑکیں، شاندار چوک قائم ہوئے، چھوٹے بڑے مختلف گلی کوچوں میں گنجان اور خوشنما مکان بنے، ہر گوشہ ایک چمن اور کوچہ بازار اوراقِ مصوّر بن کر

نقوشِ پیکرِ ارژنگ سے تھے در و دیوار نگار خانۂ چینی تھے کوچہ و بازار
مکاں مکاں سے ہویدا تھا جوشِ فصلِ بہار بنا محلہ محلہ تھا غیرتِ گلزار

فلک صفائیِ عمارت پہ زہر کھاتا تھا
چمک سے ذرّوں کی خورشید تھرتھراتا تھا"

سید ظہور الدین
مہجور

پھر جو زمانے نے ایک کروٹ لی اور ذرا اپنا رنگ بدلا تو اسی دِلّی پر وہ آفتیں نازل ہوئیں، متواتر اور پے در پے کہ الامان والحفیظ۔ چنانچہ ۱۸۵۷ء کا غدر جو اس دِلّی پر آخری اور بے پناہ آفت تھی اس نے خاندانِ تیموریہ کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو گل کر دیا۔ اسلامی سلطنت ختم ہو گئی، پس ماندگان سوگوار اور رہا یا صرف اشک بار ہو کر رہ گئی اُن لوگوں کو جو دہلی کے روحِ رواں اور چشم و چراغ تھے۔ اپنی تباہی اور بربادی کے بعد اِسکے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ دلّی کو چھوڑ کر فیض آباد اور لکھنؤ وغیرہ میں جا بسیں لیکن جس فلک نے لاکھوں اور کروڑوں دلوں کی بستی کو لوٹ کر سونا اور ویران کیا تھا اُس نے چند ہی دن بعد لکھنؤ جیسے شہر کو بھی اجاڑ دیا اور بنا دیا۔ داغ مرحوم نے دلّی کے اجڑنے اور برباد ہونے پر جو مرثیہ لکھا ہے اُس کا ایک بند سنیے ؎

فلک زمین و ملائک جناب تھی دہلی | بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دہلی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دہلی | مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دہلی

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اُسے کھا گئی نظر کس کی!

تاریخ کی اس دھندلی سی روشنی میں یہاں تک دِلّی اور دِلّی کے اُن راجاؤں اور بادشاہوں کی سرگذشت تھی جو آج تک دِلّی میں حکومت کرتے رہے، آئیے اب دلّی کی اُس معاشرت اور تہذیب و تمدن پر نظر ڈالیں جو دلّی کے گلی کوچوں اور بازاروں سے متعلق ہے جس نے دِلّی کی شہرت کو چار چاند لگائے اور آج کل مٹتا جا رہا ہے۔ میں پوچھتا ہوں اس نظر سے آپ نے کبھی دلّی کو دیکھا، دلّی کی عمارتوں بازاروں اور کوچوں کی سیر کی، بھول بھلیاں جیسی گلیوں میں پھرے یا ہنوز "دلی دور است" ہے سچ مچ دِلّی دور

سمجھکر اور اپنا جی مسوس کر رہ گئے۔

آؤ! اس جنت سواد شاہجہاں آباد، دلی پیاری دلی کو دیکھو اور میری آنکھوں سے دیکھو، یہ دلی بائیس خواجہ کی چوکھٹ ہے، رشی اور جگت گروؤں کا استھان ہے، ہندو راجہ اور مہاراجاؤں کی مشہور راجدھانی ہے، اسلام کے بادشاہوں اور شہنشاہوں کا پایہ تخت ہے۔ علم و حکمت کا مرکز ہے، تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ہے۔

دلی کی وہ صفائی اور آب و تاب، وہ رنگ و روپ اور سج دھج وہ چاندنی چوک وہ لال کنواں، وہ جامع مسجد اور اس کا چوک جہاں گل و بلبل کا سودا ہوتا ہے۔ جہاں ہاتھوں کے طوطے اڑتے بھی ہیں اور بکتے بھی ہیں، جہاں کبوتر باز اور چڑی مار جمع ہیں تو لال اڑوانے اور گلدم لڑانے والے بھی نظر آتے ہیں پھولوں کی مہک سے دماغ معطر ہے: حقہ بردار کاندھے پر تمباکو اور کوئلہ کا چرمی تھیلہ لٹکائے ہاتھ میں چاندی کی مثال والا حقہ جس کی پتلی پتلی سٹکوں پر موتیا اور چنبیلی کے پھول لپٹے ہوئے ہیں لئے لوگوں کو پلاتے پھر رہے ہیں۔ جابجا سقے پانی کی مشکیں لئے موجود ہیں کنوئیں کا میٹھا پانی ایسا جو برف کو شرمائے کٹوروں کی جھنکار ایسی جو ٹھار سنکر کانوں میں گونجے اور پیاس لگائے، سودا بیچنے والوں کی وہ شریلی صدائیں جنکو سنکر خواہ مخواہ جی للچائے اور طبیعت کھانے پر مجبور ہو۔ تماشائیوں کی وہ کثرت کہ کھوے سے کھوا چھل جائے اور تھالی پھینکو تو سروں پر چلی جائے۔

وہ سرِ شام بازاروں کی رونق اور چہل پہل۔ آدمیوں کا ہجوم، نیرانی جیوڑوں کا ادھر سے ادھر البیلا پھرنا۔ وہ ان کا ہنسی مذاق، اور ٹھٹول کوئی پیدل ہے تو کوئی گھوڑا سوار، کوئی گاڑی میں ہے تو کوئی

موٹریں۔ گاڑی بانوں کی ہٹو بچو۔ موٹروں کی بھوں بھوں۔ ٹریموں کی ٹن ٹن۔ دوکانیں ایک سے ایک بڑھکر مرصع و مزین، لاکھوں کے زرو جواہر اور ہزاروں روپے کے قیمتی سامان سے بھری اور سجی، ان میں خوب صورت مرد، حسین عورتیں بھولے بھالے ہنس مکھ بچے خرید فروخت میں مصروف، ذرا کی ذرا میں ہزاروں اور لاکھوں روپے کی ریل پیل اور اس گئے گذرے زمانے میں بھی دِلّی کے غریب کرخندار کو لٹھے کا پاجامہ، مہین ململ کا کڑھا ہوا کرتا، کرتے میں سے رنگین ازار بند جھلکتا ہوا، بدن پر ریشمی پھولدار واسکٹ۔ سر پر کامدار ٹوپی پاؤں میں سلیم شاہی جوتی یا پتلی لڑکا انگریزی چمکدار سلیپر پہنے خوب بنا ٹھنا پان رچائے دوست کے گلے میں باہیں ڈالے ضرور سر بازار پھرتا ہوا پاؤ گے

دِلّی کے دروازوں اور گلی کوچوں کے نام سنئے:۔

سب سے پہلے تو دِلّی دروازہ، پھر ترکمان دروازہ اور اجمیری دروازہ یہ تینوں شمال کی طرف واقع ہیں، ان سمتوں کا خیال چھوڑیئے صرف نام سنئے۔ راج گھاٹ دروازہ، کشمیری دروازہ، نگمبود دروازہ، کلکتی دروازہ۔ بعض کھڑکیوں کے نام بھی دروازوں ہی کے ناموں پر ہیں اور بعض علیحدہ۔ مثلاً کھڑکی اجمیری دروازہ، کھڑکی فراشخانہ، کھڑکی تفضل حسین خاں۔ چند گلی کوچوں کے نام ملاحظہ ہوں:۔

گلی امام، گلی شاہ تارا۔ گلی بتاشان، گلی بندوق والی۔ بلبلی خانہ۔ فراشخانہ۔ کٹڑہ گوکل شاہ۔ کٹڑہ نیل، کٹڑہ بڑیان۔ کوچہ تاراچند۔ کوچہ چیلان۔ مٹیا محل۔ رنگ محل۔ چاندنی محل۔ تیلی واڑہ۔ قاضی واڑہ

مالی واڑہ - پہاڑی اِملی - پہاڑی بھوجلہ - مچھلی والان - سوئی والان سرکی والان - پھاٹک حبش خاں - ترا ہا بیرام خاں - باڑہ ہندو راؤ - رود گران - حویلی اعظم خاں - حویلی کلو خواص - حویلی حیدر قلی - اُردو بازار - موتی بازار - کشن گنج - طوطا مینا - بارہ دری میر درد وغیرہ وغیرہ -

آئیے ذرا اب ان گلیوں کی سیر کریں اور دیکھیں وہاں کیا ہو رہا ہے - چلیے اسی سامنے والی گلی بھوجلہ پہاڑی میں چلیں - یہ بڑی لمبی گلی ہے، دائیں بائیں بہت سی گلیاں واقع ہیں - ایک گلی میں سے دوسری گلی میں نکلئے دوسری سے تیسری میں اور تیسری سے چوتھی میں اس طرح یہی ایک گلی یا اس گلی کی مختلف گلیاں آپ کو مختلف گلی کوچوں اور بازاروں میں پہونچا دیں گی - بقول بھلیاں جو ٹھیری -

دیکھنا وہ سامنے سے کچھ لڑکے چیختے چلاتے چلے آتے ہیں "کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے برسے گا برسا دیگا - کوڑی کھیت لگا دیگا کوڑی گئی ربت میں پانی آیا کھیت میں" ان کے بدن پر صرف ایک لنگوٹی ہے باقی سارا دھڑ ننگا اور منہ کالا ایک کے ہاتھ میں رکابی ہے، محلہ در محلہ، مکان بر مکان پہونچکر یہی آواز لگاتے ہیں وہاں سے کچھ نہ کچھ پیسہ دھیلا مل جاتا ہے، ان چیخنے والے لڑکوں اور ٹون کرنیوالوں کا خیال ہے کہ جب بارش نہ ہوتی ہو تو اس طرح ہو جاتی ہے -

اِس گلی میں زیادہ تر کارخانے دار بھائی رہتے ہیں - کوئی تارکش ہے، کوئی بٹیا، کوئی زردوز ہے کوئی زرکوب، کوئی لوہار ہے تو کوئی سنار، کوئی تولنے اور کٹوریاں بناتا ہے تو کوئی اس کے وزن اور باٹ، ان میں سے اکثر غریب ہیں - لیکن سب کے سب مخلص اور ملنسار -

سیر سپاٹے اور کھیل تماشے کے بے انتہا شوقین، چنانچہ ان کے لڑکے بھی ویسے ہی کھلنڈرے اور بےفکرے ہیں جنکو صبح سے شام اور شام سے رات گئے تک سوائے آپس میں کھیلنے لڑنے بھڑنے اور آوارہ پھرنے کے کوئی دوسرا کام نہیں۔

ان لڑکوں کے کھیل بھی دنیا سے نرالے اور دلچسپ ہیں، جاڑے کے کھیل الگ ہیں گرمی اور برسات کے الگ، پھر موسم کے ساتھ ساتھ ان میں وقت کا بھی لحاظ رکھا ہے یعنی دن کے کھیل الگ ہیں اور رات کے کھیل الگ، بعض محض تیوہاروں کے لئے مخصوص ہیں۔ اگر ان سب کھیلوں کو تفصیل کے ساتھ لکھا جائے تو اس کے لئے کئی گھنٹے درکار ہیں لیکن میں آپ کو ان سے بالکل بے خبر بھی رکھنا نہیں چاہتا، پہلے آپ سردی کے موسم کے کھیل سنئے، یہ سب تقریباً دن کے وقت دھوپ میں کھیلے جاتے ہیں کیونکہ جاڑے کے زمانے میں رات کے وقت سردی زیادہ ہوتی ہے۔

رنگی ڈنڈا۔ گیریاں۔ گھتی بالا۔ جھٹو رانی۔ یا سات سمندر۔ لنگڑیہ ہتھا بالشت۔ نوکنکرہ۔ کچالو بینا، بھیڑیں پکڑنا۔

گرمی کے کھیل جاڑے کے کھیلوں کی بہ نسبت تعداد میں زیادہ ہیں اور دلچسپ بھی کیونکہ گرمی اور برسات کے زمانے میں ویسے بھی گھروں میں رہنا وبال معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں گھر کے بڑے آدمی رات کو گیارہ گیارہ اور بارہ بارہ بجے چل پھر کر واپس آتے ہیں اسی طرح یہ لڑکے بھی گرمی اور برسات کی کالی اور چاندنی راتوں میں کم از کم دس گیارہ بجے تک یہ کھیل گلی کوچوں اور سڑکوں پر برابر کھیلتے رہتے

دن کے وقت کیل کیل کانٹیاں کالے ڈنڈے پیلے ڈنڈے۔ چوسر، شطرنج، پچیسی، ریل گاڑی۔ بانس کا گھوڑا۔ مٹی کے پل اور گھروندے اور رات کے وقت کوڑا جمال شاہی۔ آتی پاتی یا چھپن مُنی کا پہاڑوا۔ آنکھ مچولی۔ کوڑی مگن مگن۔ سرنگ لال گھوڑی۔ چادر چھپول۔ اکڑ بکڑ۔ اٹکن بٹکن، عدالت اور انصاف، کہانیاں اور پہیلیاں، رسہ کشی، ان کے علاوہ قسم قسم کی آتش بازی شب برات پر اور عید بقرعید پر پتنگ بازی، محرم کے دنوں میں سبیل، تعزیہ اور مرثیہ خوانی اور پھر جاڑا ہو یا گرمی جب جی چاہا کبڈی کھیلنے لگے، کبڈی کا مقابلہ عموماً جمعرات یا جمعہ کے دن شام کیوقت شہر سے باہر کسی کھلے اور پرفضا میدان میں ہوتا ہے، کچھ نہیں تو تاش ہونے لگا صبح سے شام تک کبوتر ہی اڑاتے رہے، کوئی استاد مل گیا اور محلہ میں اکھاڑہ قایم ہوا تو صبح شام کسرت اور کشتی کے داؤں پیچوں کے علاوہ رات کو لکڑی چلانے کا فن بھی سیکھتے ہیں

شاید دلی کے مشہور و معروف شاعر حضرت میر نے انہی تیز اور شوخ لڑکوں کی شوخی اور شرارت سے بھرے کھیلوں کو دیکھکر یہ شعر کہا ہوگا ؎

کیا میر تو روتا ہی پامالی دل ہی کو — ان لونڈوں نے تو دلی سب سر پہ اٹھا لی ہے

لڑکے اپنی ٹانگوں میں جو بانس کا ایک ٹوٹا لیکر اپنا گھوڑا بنا کے گلی میں دوڑتے اور کودتے پھرتے ہیں اُس کے متعلق حضرت میر فرماتے ہیں ؎

چاہت بری بلا ہے کل میر نالہ کش بھی
ہمراہ نئے سواران دوڑے پھرے نفر سے

اسی طرح ایک جگہ گڈی اڑانے والے لڑکوں کے متعلق لکھتے ہیں ؎

جب سے کاغذ باد کا ہے شوق اُسے — ایک عالم اُس کے اوپر ڈو رہے
اڑاتا گڈی وہ باہر نہ آوے — مبادا مجھکو بھی گڈا بنا دے

ہمارے کے زمانے میں جب بھڑوں اور تیتیوں کے ڈنک کا زہر کم ہو جاتا ہے اور لڑکے ان کو ڈورے میں باندھکر اڑاتے پھرتے ہیں اُس کے متعلق کسی کا شعر ہے ؎

پَر نہ باندھا پاؤں باندھا بلبلِ ناشاد کا
کھیل کے دن ہیں لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

شاعرانہ مبالغہ میں بھڑ کو بلبل باندھا ہے۔

کوڑی جگن مگن یا کوڑی چھپوّل کے کھیل میں جب آڑی اپنی اپنی جوڑیاں مُڑ کر میتروں کے پاس آتے ہیں تو اپنی تعریف میں تاکہ وہ اُسی کو انتخاب کرے مٹک مٹک کر ایک عجیب انداز سے جو کچھ کہتے ہیں وہ سنئے "اڑنگ بڑنگ میں پڑی زنجیر کوئی لے تکا کوئی لے تیر، تیر کی بیٹی سبز کمان، کوئی لے بڈھا کوئی لے جوان۔ ایک کا نام موٹر ایک کا نام ریل، بولو سردار کس کو لوگے۔

اسی طرح سرنگ لال گھوڑی کے کھیل میں جب کھلاڑی حلقہ باندھکر چڈھیوں پر سوار ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں تو باری باری ایک ایک لڑکا ایک سانس میں یہ فقرہ کہتا ہوا اپنی اپنی گھوڑی کے پاس آجاتا ہے کہ "سرنگ لال گھوڑی تو مجھ سے کیوں نہ بولی، سرنگ لال پٹکے تم ہم سے کیوں نہ چٹکے" یا "آلو رتالو تیری چلتی کمر باندھوں بگل شبّو کے پیڑ تلے بول گروگے، غلط بتایا گھوڑا سواری چڑھ مارو"

اٹکن بٹکن چھوٹے بچوں کا کھیل ہے جس میں کئی بچے اپنے ہاتھوں کی انگلیاں کھڑی کر کے زمین پر ٹکا دیتے ہیں اور ایک بچہ سب بچوں کے ہاتھوں پر ایک انگلی باری باری رکھتا جاتا ہے اور یہ کہتا جاتا ہے۔ "اٹکن بٹکن

دہی چیکن، اگلا جھولے بگلا جھولے ساون ماس کریلا پھولے، پھول پھول کی بالیاں، باوا گئے گنگا لائے سات پیالیاں، ایک پیالی پھوٹ گئی نیولے کی ٹانگ ٹوٹ گئی کھنڈا ماروں یا چھری" اگر اس نے کہا "کھنڈا" تو وہ کہیگا "تیری ماں کا پیٹ ٹھنڈا" اگر اس نے کہا "چھری" تو وہ کہیگا "تیری ماں بُری"

آنکھ مچولی جسے پورب میں آنکھ مندول کہتے ہیں فارس میں بھی کھیلا جاتا ہے وہاں اسکو چشم بندک کہتے ہیں اس کے متعلق رشک کا ایک شعر ہے

چار آنکھ نہونا ہی اُسے مدِ نظر ہے
کھیلوں میں سے اُسے آنکھ مچولی نظر آئی

اسی کے متعلق سید احمد دہلوی مصنف فرہنگ آصفیہ کہتے ہیں ؎

کوسوں کی دیکھو آنکھ مچولی نہیں سند
جب تم ہی یاں نہو تو وہاں چھونے جائے کون

انہی گلیوں میں جہاں لڑکے رات دن کھیلتے اور اودہم مچاتے پھرتے ہیں وہاں دن کے وقت کبھی مداری، کبھی بندر والا، کبھی سانپ والا، اور کبھی نٹ اپنے کھیل تماشے دکھاتا ہے اور جب کسی کے گھر میں بچہ ہو تو اسکی خوشی اور مبارکباد دیں ہیجڑے اور بھانڈ آکر ناچتے گاتے اور انعام لیتے ہیں فال نکالنے والا جسے ان صرف چند ٹکوں سے کام ہے سادہ لوح مردوں اور خاص کر توہم پرست عورتوں کو کچھ کا کچھ بتا کر خوش اور پریشان کرتا ہے۔ اگر کوئی منہیار آتا ہے تو اچھی خاصی پردہ دار عورتیں چوڑیاں پہننے کے لئے اپنا سونٹا سا ہاتھ کواڑوں کی درزیں سے بے دھڑک باہر نکال دیتی ہیں۔ گلی میں بازی گر اپنا کھیل تماشا دکھانے میں مصروف ہو یا برات کے ساتھ کوئی

دولہا گھوڑے پر گذرے یا اِس کے برخلاف کسی اہلِ محلہ کی میت نکلے تو یہ عورتیں ضرور اپنے گھروں کی چھتوں دیواروں برآمدوں اور کھڑکیوں میں کھڑی جھانکتی ہنستی یا روتی ہوئی نظر آئیں گی۔ برسات کے زمانے میں رات کے وقت جب آسمان پر گھٹا چھائی ہو اور ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی ہو اُس وقت یہ عورتیں جھولا جھولنے میں مصروف ہونگی اور اس بھیگی ہوئی رات کے سناٹے میں ضرور آپ کو یہ ملہار سنائی دیں گے۔

فرق اتنا ہے کہ اس میں رَس ہے مجھ میں ہائے ہے
چھا رہی کاری گھٹا جیا مورا لہرائے ہے

یا پھر وہی پرانے گیت۔

اماں آڑو جامن گھلے دھرے — اماں میں نہیں کھاتی میری ماں۔
ماں لیک کریلا میں بو یا بھابی سے کہیو توڑے نا

دن کے وقت صبح ہی صبح یا سرِ شام اِن عورتوں کی لڑائی کا منظر بھی دیکھنے کے قابل ہوتا ہے دونوں اپنے اپنے دروازوں پر لگی کھڑی ہیں، آدھا دھڑ اندر ہے آدھا باہر اور دونوں ہاتھ بڑھا بڑھا کر چیخنے بکنے کوسنے اور گالیاں دینے میں مصروف ہیں، بعض اوقات صبح سے دوپہر اور دوپہر سے شام ہو جاتی ہے لیکن لڑائی ختم ہونے پر نہیں آتی۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ کسی گلی میں اپنے دوست کے مکان پر اُس کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ برابر کے دروازے سے آپ کو آواز آئیگی "ارے بھئی ذرا منہ پھیر لینا" آپ حیران ہو کر اُس طرف دیکھیں گے، اُس دروازے میں کہ جس کا ایک کواڑ بالکل کھلا ہوا ہے اور دوسرا بند کواڑ کے پیچھے ایک عورت اپنا چہرہ باہر نکالے کھڑی ہوئی ہے، جونہی آپ کی نگاہ

اس پر پڑے گی وہ فوراً آپ کی نظروں سے نظریں ملا کر نہ دیکھنے کے انداز میں دیکھتی ہوئی کہے گی۔ ارے بھئی ذرا منہ تو پھیر لو ہم اُدھر جائیں گے آپ صورتِ حال سے گھبرا کر منہ پھیرنے کے ساتھ ساتھ گلی کے باہر جانیکا ارادہ کریں گے اور وہ آپ کے پیچھے اپنا دوپٹہ سنبھالتی اور گھبراہٹ میں پاؤں سے نکلی ہوئی جوتی کو ایک دو بار پہنتی ، لپکی ہوئی آئیگی ، آپ پہلے سے زیادہ پریشان ہو کر اُسے پھر پلٹ کر دیکھیں گے۔ وہ کہیگی "کیسا بے شرم مرد ہے پلٹ پلٹ کر دیکھے ہی جاتا ہے اور پھر فوراً اُس مکان میں گھس جائیگی جہاں اُس کو جانا ہے۔

چلتے چلتے بھی آپ کو دو تین اور آفتوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا۔ دو منزلہ مکانوں کے برآمدوں اور سریوں پر گیلی دھوتیاں لٹک رہی ہیں اور اُن میں سے پانی ہے کہ برابر ٹپک رہا ہے آپ اس سے بچکر اپنا راستہ دوسری طرف اختیار کریں گے کہ ایک دفعہ ہی آپ اُس ٹوکری سے ٹکرائیں گے جسکو اوپر سے ایک عورت نے اسلئے نیچے پھینکا ہے تاکہ ترکاری فروش اُس میں ترکاری ڈال دے اور وہ آنے جانے کی تکلیف سے بچ جائے۔ ابھی آپ دو ہی قدم آگے بڑھے ہیں کہ دوسرے برآمدے میں سے ایک میلی کچیلی بڑھیا اپنا آدھا جسم باہر نکالے۔ دال سے بھرا ہوا مٹی کا ایک بجزہ یا پنکھے پر گھر کا کوڑا کرکٹ مکان کے چبوترے پر پھینکتی ہوئی نظر آئیگی اگر آپ اُس کی زد میں نہ آئے تو یقیناً خوش قسمت ہیں ورنہ کیا کہنا۔ ایسے کوڑے کے ڈھیر جس پر آم کی گٹھلیاں ، گھر کا بچا ہوا کھانا اور نالیوں کی کیچڑ ہوتی ہے آپ کو تقریباً ہر دروازے کے سامنے ملیں گے۔

انہی چبوتروں پر بیٹھکر سودے سلفے کا بیوپار ہوتا ہے اس درمیان میں

آپ دیکھیں گے کہ گھر کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ نل کا پانی بیکار بہے رہا ہے یا پختہ فرش دھل رہا ہے یا چولہے کی لیپا پوتی ہو رہی ہے۔

میت کے ۴۰ ادارمرد بھی گلی ہی میں چارپائیوں پر بیٹھتے ہیں اور شادی وغمی کے کھانے کی دیگیں بھی گلی ہی میں کھنکتی اور پھر خالی ہونے کے بعد گھنٹوں وہیں پڑی بھنکتی رہتی ہیں، اینٹوں اور پتھروں کے عارضی چولہے جلی ہوئی لکڑیاں، راکھ اور کوئلوں کے ڈھیر، آلو اور پیاز کے چھلکے بھی وہیں ملتے ہیں۔ شہر کے کنگلوں اور بھکاریوں کو مہمانوں کا بچا کچھا کھانا تقسیم ہوتا ہے اور وہ اسکو حاصل کرنے کے لئے شرمناک لوٹ کھسوٹ اور چیخ و پکار کا بازار گرم کرتے ہیں۔ اتفاق سے اسی وقت کھلونے بیچنے والی چمار یاں، ٹرو۔ کاغذ کی رنگین ڈگڈگی، گڑیا کی ڈولی بچوں کو دیکران کی معرفت کھانا لیتی ہیں۔ گھر کا سقہ محلے کا بھنگی اور چوکیدار یہ تینوں بھی روٹیوں کے کٹور دان سالن سے بھرے ہوئے پتیلے سر پر لیجاتے ہوئے ہوئے نظر آتے ہیں۔

شام کے وقت ہر ایک مکان پر فقیروں کی صدائیں "یاد رب کی اور خیر سب کی۔ یہاں دے اور وہاں لے" کچھ دیر بعد پھول بیچنے والوں کی سُریلی آوازیں "لو کٹورے موتیا میاں لو کٹورے موتیا لپٹیں آرہی ہیں چنبیلی میں کیا بہار ہے زرد چنبیلی میں" رات کو برادری والوں کی پنچایت، خانگی قضیوں کا فیصلہ اور حکم، کٹ پتلیوں کا تماشا، وعظ، سوانگ اور خیال بڑھنے والوں کی محفلیں، اگر ان میں سے کچھ بھی نہیں تو کم از کم سستا اور مفت کا مطالعہ کرنے والے شوقین سرکاری لالٹین کے نیچے چبوترے یا کسی چارپائی پر بیٹھے یا لیٹے کوئی ناول یا داستان

یا مہا بھارت اور رامائن کے ہندی اشعار پڑھتے اور اپنے دو تین اَن پڑھ دوستوں کو سناتے ہوئے نظر آئیں گے اور پھر رات گئے تقریباً ایک دو بجے جب خدا کی ساری مخلوق آرام سے بے خبر سوتی ہے تو محلہ کا بہادر اور وفادار چوکیدار اپنا موٹا شام دار لٹھ زمین پر ٹیکتا اور کواڑوں پر آہستہ آہستہ بجاتا اور چیختا ہوا سنائی دیتا ہے "جاگتے رہیو جاگتے رہیو"

ایسی زمین ایسے زماں، ایسے مکین، ایسے مکاں اور ان باتوں کے ہوتے ہوئے کس کا دل یہ چاہے گا کہ وہ دِلّی اور دِلّی کی گلیوں کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں لال قلعہ نہ ہو، جامع مسجد نہ ہو اور جمنا نہ بہتی ہو، حضرت ذوق مرحوم کیا خوب فرما گئے ہیں ؎

گرچہ ہے ملکِ دکن میں ان دنوں قدرِ سخن
کون جائے ذوق پر دِلّی کی گلیاں چھوڑ کر

دِلّی کا ایک محلّہ

بلّی ماران

دِلّی کے خالی حالات و
واقعات سننے سے طبیعت
سیر نہیں ہوتی جبتک خود چند
گلی کوچوں اور بازاروں کی
خاک نہ چھانی جائے اور خوب
جی بھر کر سیر نہ کیجائے اور اُن
میں رہنے بسنے والوں کے
متعلق کچھ معلوم نہ کرے جن کے
دَم خَم سے کبھی یہ گلی کوچے گلزار
اور وہاں کے مکانات، حویلیاں
محل اور بارہ دریاں شاد و آباد
تھیں۔ دُور دُور تک دِلّی ہی
دلّی کا ذکر ہوتا تھا۔

"محلہ بلیماران" ایک
مخصوص تاریخی محلہ ہے آیئے
اُس کی سیر کیجئے ۱۲

دلی کو لوگ ہندوستان کا دِل کہتے ہیں اور غالب کے نزدیک
"دِلّی کی ہستی صرف پانچ ہنگاموں پر موقوف ہے۔
قلعہ
چاندنی چوک
ہر روز مجمع جامع مسجد کا۔
ہر ہفتے سیر جمنا کے پُل کی
ہر سال میلہ پھول والوں کا
یہ پانچوں باتیں اب نہیں پھر کہو دلی کہاں ؟ ہاں کوئی شہر قلمرو ہند میں
اس نام کا ہوگا "
جس چاندنی چوک کا ذکر غالب نے کیا ہے پہلے اُس کے دونوں طرف سڑکیں اور بیچ میں سرتا سر ایک نہر جاری تھی، جہاں اس وقت گھنٹہ گھر ہے وہاں شاہی زمانے میں ایک مثمن چوک اور اُس چوک میں ایک ہشت پہلو حوض تھا۔ یہ چوک ہی اصل میں چاندنی چوک کہلاتا تھا اس چوک کے چاروں طرف مختلف قسم کی دوکانیں تھیں۔ یہاں شام کو اُمرا، اور شہزادے اور شہر کے تمام امیر و غریب گھوڑوں۔ بہلیوں۔ پالکیوں۔ رتھوں۔ شکرموں اور ہوا داروں میں اور پیدل سیر و تفریح کی غرض سے یا خرید و فروخت کرنے کے واسطے

آتے تھے۔ ہر روز ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ گھنٹہ گھر سے فتح پوری جاتے وقت بائیں ہاتھ کو ایک چوڑی سی سڑک نکلتی ہے، اسی کو محلہ بَلّی ماران کہتے ہیں اس کی وجہ تسمیہ صحیح صحیح معلوم نہیں، کوئی کہتا ہے کہ پہلے یہاں دریا بہتا تھا اور بَلّی لگا کرتی تھی اس واسطے بَلّی ماران ہوا اور کوئی کہتا ہے کہ یہاں ملّاح لوگ رہا کرتے تھے اس وجہ سے مشہور ہوا۔ آخری بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ عام لوگ اس کا تلفظ بَلّی ماران کی بجائے بِلّی ماران کرتے ہیں، صحیح لفظ بَلّی ماران ہی ہے۔

محلہ بَلّی ماران کوئی چھوٹا سا محلہ نہیں اسے جگت محلہ سمجھئے کیونکہ اسی ایک محلہ سے دوسرے بیسیوں محلوں اور گلیوں میں آنے اور جانے کا راستہ موجود ہے۔ غدر سے پہلے یہ محلہ اس قدر شاد اور آباد تھا کہ کیا کہنا لیکن غدر کے غدار ہاتھوں نے اس کو اس بُری طرح لوٹا اور کھسوٹا کہ ویران اور سنسان کر دیا بالکل ہُو کا عالم ہو گیا تھا۔ رات تو رات دن کے وقت بھی لوگ یہاں سے گذرتے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بھوت یا پریت اُن کو نہ چمٹ جائے۔

اس بازار میں قدیم سے عموماً منہیار۔ پنچہ بند۔ مصوّر۔ دندان ساز عینک ساز۔ سادے کار۔ حکیم۔ عطار۔ وید۔ جراح۔ ریشم فروش، صندوق مسہریاں، تانبے کے پلنگ، کسرتی مگدر، عرق چین ٹوپیاں، سلیم شاہی جوتیاں بنانے اور بیچنے والوں کی دوکانیں ہیں۔ عام لوگوں کے علاوہ اُمراء و شرفا کے عالی شان مکانات اور حویلیاں، مدرسے، امام باڑے، مسجدیں، مندر اور شوالے بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔

آئیے دائیں طرف سے اندر چلیں۔ گلی سوداگران، گلی کپڑے والان اور پنجابیوں کی مسجد کو چھوڑ کر حویلی حسام الدین حیدر پر نظر ڈالئے بڑی گنجان

اور لمبی گلی ہے اس کا دوسرا سرا زینت محل کے سامنے بازار لال کنوئیں جانکلتا ہے اس کا بڑا شاندار پھاٹک دُور ہی سے نظر آتا ہے حسام الدین حیدر لکھنؤ کے کوئی بڑے رئیس تھے پھر دہلی آکر رہنے لگے، مظفر الدولہ اور نواب حسین مرزا ان کے دو بیٹے تھے جو بہادر شاہ ثانی کے عہد میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے، نواب حسین مرزا لال قلعہ کے ناظر تھے، اسی حویلی میں حکیم اسد علی خاں مضطر فرزند حکیم ببر علیخاں بھی اپنا مطب کیا کرتے تھے آجکل اس گلی میں زیادہ تر پنجابی سوداگران رہتے ہیں اندر قطب الدین مرحوم والا مکان، جواب شیخ محمد تقی وکیل کا مکان کہلاتا ہے۔ اس میں امام باڑہ ہوتا تھا، یہ وہ قطب الدین مرحوم ہیں جنہوں نے غدر کے بعد کوشش کرکے زینت المساجد کو واگذاشت کرایا اور ایک مدت تک اُس کے نگراں بھی رہے

حویلی حسام الدین حیدر کے پہلو میں لب سڑک قدیمی دواخانوں میں حمید الدین جمال الدین کا یونانی دواخانہ اور سید فیض الحسن کا فیض عام دواخانہ مشہور تھا۔ یونانی دواخانہ ابتک موجود ہے۔ دواخانے کے مقابل بائیں طرف حکیم غلام رضا خانصاحب شریف خانی کا مکان تھا جو اب "کبریا منزل" کے نام سے مشہور ہے ۱۳۰۰ھ ہجری میں اس مکان کے اندر مدرسہ نعمانیہ تھا جس کے مہتمم مولوی عبد الرشید خلف مولوی عبد الحکیم تھے۔ بعد میں حکیم احمد سعید خانصاحب کے فرزند غلام کبریا خانصاحب عرف حکیم بھورے خانصاحب کا مطب ہوا۔

چند قدم آگے چلکر دوراہہ آتا ہے، دائیں طرف گلی قاسم جان ہے جو بازار لال کنوئیں کو نکل جاتی ہے بائیں طرف شریف منزل ہے جو بہت قدیمی ہے، اس میں شروع سے ابتک حکیموں کے مشہور شریف خانی خاندان کے لوگ آباد ہیں۔ اس خاندان کے بانی وسطِ ایشیا کے

رہنے والے تھے سب سے پہلے بابر بادشاہ کے ساتھ کاشغر سے ہندوستان آئے۔ اکبر کے زمانے میں آگرہ میں مقیم ہوئے جہاں اُن کی علمیت اور تقدس کا کافی شہرہ تھا۔ پھر عہدِ عالمگیر میں آگرہ سے دہلی تشریف لائے، خطاب اور منصب سہ ہزاری کے علاوہ جاگیرات شاہی عطا ہوئیں۔ افسوس! کہ شریفیہ خاندان کے تمام بزرگوں کے نام کوشش کے باوجود معلوم نہ ہو سکے۔ واقعات دارالحکومت دہلی مرتبہ ڈپٹی بشیرالدین احمد مرحوم میں، حکیم شریف خاں کے والد کا نام اُن کے شاہی خطاب کیساتھ اشرف الحکما حکیم اکمل خاں صاحب لکھا ہے، حکیم شریف خاں کے فرزند حکیم صادق علی خاں ہوئے اور حکیم صادق علی خاں کی اولاد میں حکیم غلام محمد خاں، حکیم مرتضیٰ خاں اور حکیم محمود خاں مرحوم تھے۔

کون حکیم محمود خاں۔ جو اپنے خاندانی علمی اور طبی کمالات اور باطنی خوبیوں کے سبب تمام ہندوستان میں مشہور اور ہر دل عزیز تھے وہی حکیم محمود خاں جن کے مطب کا آج تک شہرہ ہے، مطب کی اس سے زیادہ اور کیا شہرت ہو گی کہ بعض لوگوں نے مطب کے بہت سے واقعات کو جو عام طور پر مشہور رہیں اپنے اُن حکیموں سے منسوب کر دیا ہے جنہیں وہ ذرا اُچھالنا چاہتے ہیں۔ وہی حکیم محمود خاں جس نے زندگی بھر اپنا روزنامچہ بلا ناغہ لکھا۔ یہ روزنامچہ اگرچہ ٹکرڑے ٹکرڑے ہو کر تبرک کی طرح اولاد میں تقسیم ہو چکا ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک تو محفوظ ہے۔ وہی محمود خاں کہ جب دِلّی غدر کے مصائب اور آفتوں میں مبتلا تھی اور زمانہ دِلّی والوں کا دشمن تھا تو ایسے نازک اور کٹھن وقت میں اسی شریف خانی محمود نے دِلّی والوں کے لئے وہ خدمات انجام دیں اور اُن پر وہ احسانات کئے

کہ دلی والے کبھی اِس بارِ احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ بے گناہوں کی جان بخشی اور مال و جائیداد کی برئیت کے لئے انہوں نے سر توڑ کوششیں کیں اور دن رات ایک کرکے اُن کے جان و مال کو آزاد کراکرہی دم لیا۔

حکیم صاحب ڈاڑھی چڑھاتے تھے، دو کلیہ ٹوپی، کرتا، کرتے پر کچی ململ یا تن زیب کا انگرکھا، سخت جاڑے کے جاڑوں میں ایک نیم آستین اور صبح کے وقت ایک پتلی اونی چادر، آڑی تراش کا چست پاجامہ، یہ اُن کا خاندانی لباس تھا جو کم و بیش آجتک قایم ہے۔

حکیم محمود خاں جیسے خود صاحب کمال، صاحب دل قوم کے سچے مونس اور مخلص خدمت گذار تھے۔ اسی طرح اُن کی اولاد بھی اپنے مرحوم باپ کی طرح ویسی ہی فاضل، یگانۂ روزگار خاندانی رسم و روایات کی پابند، اور ہمدرد و سرپرستِ خلائق ہوئی، حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں صاحب، حکیم واصل خاں صاحب اور مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب رسابق حاذق الملک، تینوں بھائیوں نے بالخصوص حکیم اجمل خاں صاحب نے اپنے آبائی علم و فن کے ذریعہ اور ذاتی بے لوث خدمت سے وہ عظمت و شہرت حاصل کی کہ دنیا حکیم سقراط و بقراط اور جالینوس کی طرح آجتک اُن کو یاد کرتی ہے۔

حکیم عبدالمجید خاں نے اپنے مطب کو وہ رونق اور شہرت دی کہ دُور دُور تک مشہور ہو گئے۔ ۱۸۸۹ء میں آپ نے گلی قاسم جان کے ایک مکان میں مدرسہ طبیہ کی بنیاد ڈالی۔ شہر کے معززین کا ایک جلسہ کرکے مدرسہ کا

افتتاح کیا علم طب پڑھانے کیلئے قابل مدرس ملازم رکھے مدرسہ قایم کرنے کے بعد کم وبیش تیرہ برس تک زندہ رہے، قانون شیخ اور دیگر طبی مسائل خود پڑھاتے تھے۔

بھائی کے انتقال کے بعد حکیم واصل خانصاحب نے اس فرض کی ادائیگی اپنے ذمہ لی، آبائی مطب کی مسند اور مدرسہ کی گدی پر بیٹھکر خدمت خلق کرتے رہے چھ برس کے بعد یہ بھی خدا کو پیارے ہوئے۔

اب حکیم اجمل خاں صاحب کا زمانہ آیا۔ حکیم صاحب ایک غیر معمولی شخصیت و مرتبہ کے انسان تھے جو فی الحقیقت شرفِ خاندان ثابت ہوئے وہ اپنے فن کے امام ہونے علاوہ اردو فارسی اور عربی کے جملہ علوم وفنون کے ماہر و مقرر، اعلیٰ درجہ کے خوش نویس، ادیب اور شاعر، تخلص شیدا صاحب دیوان اردو و فارسی مطبوعہ شرکت کاویانی برلن، سیاسی رہنما اور ہمدرد قوم بھی تھے خدمتِ خلق اور ذوق مطالعہ کے سوا کوئی دوسرا شوق نہ رکھتے تھے۔ گھر کے کتب خانے کے علاوہ رامپور کا شاہی کتب خانہ، پٹنہ کا کتب خانہ "خدابخش" علمی پیاس بجھانے کے لئے ناکافی تھا اعترافِ حق، اللہ والوں سے عقیدت و محبت اور تصوف بھی اُن کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ سخاوت و فیاضی میں غریب پرور اور شریف نواز بلکہ سرپرستِ قوم سچ پوچھو تو اُن کی اسی قومی ہمدردی اور سرپرستی نے ہندوستان کے مسلمانوں کو سچی قومیت کا سبق پڑھایا۔ اور جب سیاست کی طرف متوجہ کیا تو گاندھی کو ایک نمایاں شخصیت اور کانگریس کو اپنے عہد کی ایک نمایندہ جماعت بنادیا۔

نوابوں اور راجاؤں کے معالج اور بالخصوص مرحوم نواب رامپور کے

طبیب خاص ہونے کے باوجود اُن کا آبائی مطب ہمیشہ جاری رہتا اور حکیم صاحب کے حاضر و غائب لوگ دُور دُور سے علاج کے لئے آتے تاصحیح تشخیص کے ساتھ ساتھ جب تک مناسب نسخہ اور اُس نسخہ کی دوائیں عمدہ نہ ہوں اور اوزان کے مطابق اصول کے ماتحت تیار نہ کی جائیں تو مریض کا اچھا ہونا دشوار ہے حکیم صاحب نے اس ضرورت کو بڑی سختی سے محسوس کیا اور ۱۹۰۴ء میں اپنے عزیز دوستوں کی مدد سے گلی قاسم جان میں ہندوستانی دواخانے کی بنیاد رکھکر ہندوستان کو جڑی بوٹیوں کی شناخت، دواسازی اور دوافروشی کا فن سکھایا۔ آج ہندوستانی دواخانہ کی دیکھا دیکھی بیسیوں عمدہ دواخانے کھل گئے ہیں اور لوگ آرام اور نفع حاصل کرتے ہیں۔

دواخانے کے بعد زنانہ مدرسہ طبیہ و شفاخانہ قایم کرکے طبی دنیا میں عورتوں کی طبی تعلیم اور معالجہ کو جاری فرمایا اور اس طرح اُن سینکڑوں قیمتی جانوں کو کہ جو آئے دن نسوانی امراض اور جاہل دائیوں کی ناواقفیت کی بدولت ضائع ہوتی تھیں موت کے منہ میں جانے سے بچالیا۔ اس کا افتتاح سرلوئی ڈین لفٹنٹ گورنر پنجاب اور اُنکی لیڈی صاحبہ کے ہاتھوں ہوا۔ اور اس مدرسہ طبیہ کو جس کی ابتدا اُن کے بڑے بھائی حکیم عبدالمجید خاں صاحب نے گلی قاسم جان کے ایک مکان میں کی تھی اتنا فروغ دیا کہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ سے قرول باغ کی سرزمین میں سنگ بنیاد رکھوا کر باقاعدہ ڈگری کالج بنادیا جسکا ہزاروں روپیہ سالانہ کا خرچ ہندوستانی دواخانے کی آمدنی سے چلتا ہے۔

اِن مشہور اور نامور حکیموں کے علاوہ اس شریف خانی خاندان میں اور بھی کئی نامی گرامی حکیم مثلاً حکیم غلام رضا خانصاحب ان کے بھائی

حکیم احمد سعید خانصاحب حکیم محمد احمد خانصاحب وغیرہ ہوئے اور موجودہ زمانے میں حکیم ظفر احمد خانصاحب، حکیم فاضل خانصاحب اور حکیم جمیل خانصاحب اپنے آبائی مطلب کو بہ حسن وخوبی چلا رہے ہیں۔

شریف منزل کے سامنے حکیم شریف خاں کی بنائی ہوئی مسجد شریف خانی ہے۔ پیش طاق پر یہ کتبہ ابتک موجود ہے۔

شکر خدا بسعی محمد شریف خان | شد طرح مسجدے کہ بود کعبۂ صفا
بر خاست چوں ندائے موذن خطیب عقل | گفتا بجوے سال وے از خانۂ خدا

اسی مسجد سے ملحق بلکہ زیر سایہ مرزا غالب کے رہنے کا تاریخی مکان ہے، کہتے ہیں اس سے پہلے نواب میر جملہ نے اپنا کوئی مکان مرزا صاحب کو رہنے کے لئے عنایت کیا تھا۔ نواب میر جملہ لال کنوئیں رہا کرتے تھے اُن کی گلی مدرسہ میر جملہ ابتک وہاں موجود ہے۔ بعد میں مرزا غالب اس مکان میں آگئے کہ جسکا ایک دروازہ گلی قاسم جان کی سمت ہندوستانی دواخانے کے مقابل اور دوسرا کٹرہ عالم بیگ کی طرف کھلتا تھا۔ یہ مکان غدر کی دست برد سے تو محفوظ رہا لیکن بعد میں پچھلے رُخ پر چند مکان اور سامنے کی طرف یعنی لب سڑک گلی قاسم جان گودام یا اصطبل بن گئے مرزا یوسف جو مرزا غالب کے چھوٹے بھائی تھے وہ بھی غالب کے مکان سے چند مکان چھوڑ کر رہتے تھے، غدر کے ہنگامے میں مارے گئے۔ مرزا غالب کی بیگم نے اپنا تمام زیور اور قیمتی کپڑے حضرت شاہ غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب کے مکان پر بھیج دئیے تھے اس خیال سے کہ محفوظ رہیں گے لیکن باغی لیٹیروں نے کالے میاں جیسی مقدس ہستی کا بھی احترام نہ کیا، اپنا پرایا جو کچھ ان کے گھر میں تھا اس طرح لوٹا جیسے کسی نے جھاڑو پھیر دی ہو۔

کالے میاں بڑے مقدس اور پائے کے بزرگ تھے، اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں آئے تھے، حضرت بہادر شاہ بادشاہ مرحوم ان کے مرید تھے اور خاص عقیدت رکھتے تھے۔ کالے میاں کی حویلی اور دروازہ نواب قاسم جان نے بنوایا تھا۔ حویلی تو اب باقی نہیں، احاطہ کا پھاٹک اب تک موجود ہے۔ اس وقت اس میں پنجابی لوگ رہتے ہیں۔ اس حویلی کے دائیں جانب ڈپٹی ہادی حسین صاحب کی حویلی ہے۔

نواب قاسم جان جن کے نام سے یہ گلی مشہور ہے ترکی النسل تھے ان کے والد کا نام عبدالرحمن تھا۔ بخارا سے آئے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں نائب وزیر تھے۔ سہراب جنگ کا خطاب اور شمس آباد وغیرہ کی جاگیر حاصل تھی۔ نواب بڈھن خان نواب قاسم کے پرپوتے تھے نواب لوہارو سے قریبی قرابت تھی، اُن کی بھی اس گلی میں ایک شاندار حویلی ہے جس میں اب نواب ضمیر الدین خانصاحب (افسوس اس سال وہ بھی انتقال فرماگئے) جو نواب علاؤالدین صاحب علائی مرحوم رئیس لوہارو کے فرزند ہیں کی رہائش ہے۔

لوہارو کا خاندان اسقدر وسیع ہے کہ اُن کا اس مختصر سے مضمون میں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا ناممکن ہے۔ پہلے لوہارو کا خاندان شریف خانی مسجد سے آگے کٹرہ عالم بیگ کے قریب کوٹھی نواب لوہارو میں آباد تھا، بعد میں یہ لوگ موجودہ کوٹھی واقع گلی قاسم جان میں آکر رہنے لگے اور اب تک یہیں رہتے ہیں۔

اس خاندان کے بانی نواب قاسم جان کے حقیقی بھائی نواب عارف جان تھے۔ نواب عارف جان کے دو لڑکے ہوئے۔ نواب احمد بخش خاں، دوسرے نواب الٰہی بخش خاں معروف جنکی بیٹی امراؤ بیگم سے حضرت غالب

کا نکاح ہوا۔ نواب احمد بخش خاں کے تین لڑکے تھے۔ نواب شمس الدین احمد خاں والیئے فیروز پور جھرکا جنکی بدولت مرزا غالبؔ مدتوں مقدمہ بازی کی لعنت میں مبتلا رہے اور جنکو مسٹر ولیم فریزر کے قتل کی انگیخت کے جرم میں ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو پھانسی دی گئی دوسرے نواب امین الدین (اول) اور تیسرے نواب ضیاء الدین احمد نیرؔ درخشاں۔

نواب امین الدین خاں (اول) کے لڑکے نواب نجم الدین خاں لاولد اور نواب علاء الدین خاں علائیؔ ہوئے اور نواب ضیاء الدین احمد خاں کے لڑکے نواب احمد سعید خاں عرف نواب سعید الدین خاں طالبؔ لاولد اور نواب شہاب الدین احمد خاں ثاقبؔ تھے جنکے صاحبزادے نواب شجاع الدین خاں تاباںؔ مرحوم اور ابو المعظم نواب سراج الدین خاں صاحب سائلؔ دہلوی حیات ہیں لیکن چراغِ سحری ہیں سائل صاحب کی موجودہ اہلیہ حضرت داغؔ دہلوی مرحوم کی متبنیٰ صاحب زادی ہیں، داغ کی زبان سننا ہو تو کوئی ان کے منہ سے سنے سچ مچ اُن کی منہ بولتی تصویر ہیں موجودہ نواب صاحب لوہارو کا نام نواب امین الدین خاں ثانی عرف علائیؔ شہریار مرزا ہے، جو بیٹے نواب امیر الدین احمد خاں لقب فرخ مرزا اور پوتے نواب علاء الدین خاں کے ہیں۔

اِس خاندان میں نوابی اور شاعری کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے چنانچہ نیرؔ و علائیؔ اور طالبؔ سسرالی رشتہ دار ہونیکے علاوہ غالب کے ہم عصر شاعر بھی تھے جو غالب کے مشورۂ سخن اور فیضِ صحبت سے مستفید ہوتے تھے۔ غالب نے اپنے ایک قطعہ میں دوسرے شعرا کے ساتھ ان لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے

ہندر انوش نفسا نند سخنور کہ بود | بادر خلوت شان مشک فشان از دم شان
مومنؔ و نیرؔ و صہبائیؔ و علویؔ وانگاہ | حسرتیؔ اشرفؔ و آزردہ بود اعظم شان

غالب کی نظم و نثر کا رنگ نیّر و علائی وغیرہ پر کس درجہ غالب تھا اس کا اندازہ ذیل کے اُس خط سے ہو سکتا ہے جو نواب علاء الدین خاں علائی نے راقم الحروف کے جدامجد حضرت سیّد محمدؐ صاحب مرحوم مغفور شاہی امام جامع مسجد دہلی، جن کی اُن سے رات دن خط و کتابت رہتی تھی کے نام لکھا تھا۔ یہ خطوط مجھے اپنے والد ماجد سیّد حامد خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کے پرانے کاغذات میں سے حاصل ہوئے تھے جو فی الحقیقت اس زمانے میں انشاء پردازی کا بہترین نمونہ اور تبرک سمجھے جاتے ہیں۔

خط

یا محمدؐ، یا امام، یا دوست کہئے فائز المرام ہوئے۔ جنازہ سوار کیونکر پہونچے، راہ میں کیا بیتی، قطع منزل وطیّ ارض کیونکر ہوا۔ فرمائیے ولادت باسعادت کا کیا رنگ ہے۔ کچھ آپ نے پایا، کچھ آپ کے گھر جا پایا۔ یہ سب سوال ہیں اُن کا جواب بہ صراحت پہونچے۔

یہاں کا حال سنئے کہ آپ کا جانا اور جاڑے کا جانا برابر ہے" وہ گرمی وہ آفتِ تموز ہے کہ توبہ توبہ بھُنے جاتے، جلے جاتے ہیں۔ حکیم جی صاحب اور منشی جی صاحب "بیچارہ دو قطبین ہیں کہ ہلتے رہتے ہیں۔ حکیم صاحب تو اکثر خموش اور منشی جی خویشتن فراموش اونگھ رہے ہیں، میں چُپ۔ جانتے ہو اُس سے بدتر وہی کاوش وہی کاہش وہی ناسازی۔

آپ کا ذکر دو چار بار یہاں ہوا، بد گو بھی تمہاری خوبیٔ تقدیر سے خوشگو ہو گئے نواب صاحب کو بھی تمہاری جانب مائل دیدن

پایا کیا عجب کہ آپکو بھی یہ امور ملحوظ ہوں اور جلد آپ آویں۔
چار کتابیں آپ ضرور تلاش کر کر نواب صاحب کیلئے بھیجیں
شاہ نامہ چھاپ بمبئی، دبستان مذاہب منطبع یا غیر منطبع، قاموس
چھاپہ، برہان قاطع، وہ دونوں اوب ہیں یہ دونوں لغت عربی و فارسی
کی جلد خرید کر ڈاک میں ارسال کرو اور قیمت سے مطلع فرماؤ۔
باقی جو خبریں ہوں اُن میں دریغ حرام ہے والسلام

حرزہ علائی

از لوہارو ۱۴ مئی ۱۸۵۹ء

نواب احمد سعید خاں صاحب طالب کو مرغ بازی کا بہت شوق تھا، زینت محل کے شہزادے اُن کے مکان واقع گلی قاسم جان میں آکر اُن سے مرغے لڑاتے تھے چنانچہ وہ مکان آج تک مرغ خانے کے نام سے مشہور ہے۔

گلی قاسم جان کا ذکر ختم ہوا، اب واپس شریف خاں کی مسجد تک چلیئے مسجد سے آگے دائیں جانب کٹرہ عالم بیگ ہے۔ اس کے آگے مدرسہ حقانی امینیہ اور مولٰنا ابو محمد عبد الحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کا مشہور و معروف مکان ہے اس کے مقابل کوچہ رائے مان ہے جو عام طور پر کوچہ رحمان کے نام سے مشہور ہے۔ آخر دور مغلیہ کا بنا ہوا ہے۔ اس کوچے سے ایک راستہ چاندنی چوک اور دوسرا جوگی واڑہ اور نئی سڑک کو جا نکلتا ہے اس محلہ کی آبادی زیادہ تر مسلمان ہے دندان ساز اور مصور کثرت سے یہیں آباد ہیں۔ حکیم احسن اللہ خاں طبیب بہادر شاہ بادشاہ نے محمد اسمٰعیل خاں۔ محمد فضل خاں۔ مظہر علی خاں مرزا شاہ رخ بیگ۔ محمد ابراہیم۔ فتح علی خاں۔ محمود علی خاں اور قمر الدین اس محلہ کے مشہور مصوروں کے نام اپنی تصنیف "مراۃ الاشباہ" میں درج کئے ہیں،

اس سے ذرا آگے گلی ببو خاں اور پھاٹک رشید خاں ہے، یہ راستہ نئی سڑک کو کاٹتا ہوا مالیواڑے میں جا ملتا ہے۔ دائیں ہاتھ کو بارہ دری شیر افگن ہے۔ بارہ دری تو اب ڈھا دی گئی لیکن محلہ ابھی تک اسی نام سے مشہور ہے۔ تاریخ میں کئی شیر افگن خاں ہیں لیکن یہ بقول مؤلف واقعات دارالحکومت دہلی، عزت الدولہ صفدر جنگ تھے جو محمد شاہ کے زمانے میں تھے جنکا مہرولی کے راستے میں مقبرہ مشہور ہے۔ اُن کی حویلی میں "خانم" نام کی ایک خدا رسیدہ مجذوب عورت رہا کرتی تھیں، ہرچند مزاج پر جذب غالب تھا۔ لیکن کبھی خود رفتہ ہوتے نہیں دیکھا لوگ بکثرت خدمت میں حاضر ہوتے تھے، بہت با فیض فاتون تھیں جو کچھ زبان سے نکلتا ہمیشہ اُسی طرح ظہور میں آتا۔

بارہ دری سے آگے کٹرہ بلا مل۔ گلی دل سکھ رائے۔ گلی پاسیان گلی کایستھان۔ محلہ دسان۔ محلہ چرخے والان شروع ہوتا ہے جس کے دائیں، بازو کی سڑک حوض قاضی اور بائیں طرف کا راستہ چاوڑی بازار میں آ نکلتا ہے۔ اس علاقہ میں بہت سے مشہور شوالے مثلاً شوالہ ہردیو داس شوالہ فتح سنگھ شوالہ لکشمی نرائن، شوالہ بیپل مہادیو اور پرانے تاریخی مندر میں چرند اسیوں کا مندر۔ ہنومان جی کا مندر اور راجہ جی کا مندر واقع ہیں جہاں لوگ رات و دن آکر پوجا پاٹ کرتے ہیں۔

دِلّی والے اور شاہی زمانے کی عید

عیدیں ہر سال آتی ہیں
اور یونہی آتی رہیں گی لیکن
دِلّی والے جو عیدیں غدر
سے پہلے دیکھ چکے وہ اب
کہاں ؟

اِس مضمون میں عید
کی وہ کیفیت پیش کی گئی
ہے جو کبھی تیموریہ خاندان
اور سلطنتِ مغلیہ کے آخری
تاجدار بہادر شاہ بادشاہ
اور اس کی رعیت منایا کرتی
تھی اور جسے چشم بینا دیکھکر
اب بھی اپنا سر دھنتی ہے

چاندرات ہے، شہر دہلی میں جامع مسجد سے نمازی نماز پڑھ پڑھ کر کچھ اوپر برج پر اور بہت سے دروازے کے باہر سیڑھیوں پر کھڑے ہیں ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے ہیں۔ سب کی نگاہیں آسمان کی طرف ہیں۔ ہر ایک کو چاند کی جستجو ہے، ایلو! وہ چاند دکھائی دیا۔ دیکھنا کیسا شور ہو رہا ہے۔

"چاند ہو گیا، چاند ہو گیا"

"کہاں ہے بھئی کہاں؟ ذرا ہمیں بھی تو دکھاؤ"

"وہ ہے وہ اُس مکان کے بائیں طرف کبوتروں کی چھتری کے اوپر دیکھو"

"ہاں، ہاں نظر آیا۔ افوہ، بھئی بڑا باریک ہے، اُنتیس کا ہے نا"

"مبارک ہو، مبارک ہو"

"آپ کو بھی مبارک ہو"

بچے بھی خوشی سے بے تحاشا چیخ رہے ہیں۔

"اہا ہا! چاند ہو گیا، اہا ہا چاند ہو گیا، کل عید ہے"

ابھی تک نقارے کی آواز سنائی نہیں دی تو پیں بھی نہیں چلیں، شاید بادشاہ سلامت نے ابھی تک چاند نہیں دیکھا، وہ دیکھئے لال قلعہ

میں جہاں پناہ دیوان عام کی چھت پر تشریف فرما ہیں، استاد ذوق اور چند خاص مصاحب بھی خدمت میں حاضر ہیں، چاند دیکھنے میں محو ہیں، امرا بھی بہت غور سے دیکھ رہے ہیں بلکہ استاد ذوق نے تو شاید دیکھ بھی لیا ہے، لیکن جب تک بادشاہ سلامت چاند نہ دیکھ لیں شاہی ادب کے سبب وہ کیونکر یہ کہیں کہ چاند ہوگیا۔ لیجئے! وہ بادشاہ سلامت نے بھی چاند دیکھ لیا ایک دفعہ ہی جوش مسرت کیساتھ فرماتے ہیں۔

"وہ دیکھو اُس اونچے درخت کی چوٹی پر چاند نظر آتا ہے۔"

سب اُس طرف متوجہ ہیں اور گھور گھور کر دیکھ رہے ہیں یکایک استاد ذوق اُچھل کر کہتے ہیں۔

"ہاں حضور دیکھ لیا، وہ ہے سامنے، ظل سبحانی کی نظر مبارک کے پرتو سے فدوی نے بھی دیکھ لیا"

یہ کہکر چند قدم پیچھے ہٹتے ہیں اور جھک کر سات سلام بادشاہ کو عید کی تہنیت میں ادا کرتے ہیں، پھر رومال میں نذر رکھ کر مودبانہ پیش کرتے ہیں مصاحبین موقعہ پاکر استاد ذوق پر چوٹ کرنا چاہتے ہیں۔

"کیوں استاد! یہ نذر کا کون سا وقت ہے؟"

"ہاں ہاں کل عید کے دربار ہی میں پیش کرنا۔"

"نہیں حضور یہ تو ابھی قبول ہوجائے ہماری عید تو آپ کے دم سے ہے، چاند ہو یا نہ ہو جب اپنے آقا اور ولی نعمت کو دیکھ لیا تو چاند بھی ہوگیا اور عید بھی۔"

"بہت خوب! اچھا اچھا قبول!!"

مصاحبین اپنا سا منہ لیکر رہ جاتے ہیں اتنے میں ایک سانڈنی سوار

ہانپتا کانپتا خدمت میں حاضر ہوتا ہے، قدم بوسی کے بعد دست بستہ عرض کرتا ہے"۔

"خداوند نعمت کو عید مبارک ہو، یہ غلام چاند کی نوید لایا ہے!"

"شاباش! تم سب سے پہلے چاند کی خوشخبری لائے ہو، اچھا اپنا انعام لیلو"، اور بھی انعام واکرام تقسیم ہوجائیں اور ہاں ہماری رعیت کو بھی عید کی خبر ہوئی یا نہیں"

"کیوں نہیں جہاں پناہ! نوبت خانے سے نفیری کی آواز بلند ہورہی ہے، وہ دیکھئے توپیں بھی تو چل رہی ہیں"

جہاں پناہ محل میں تشریف لاتے ہیں۔ شہزادیاں اور بہو رانیاں چاند کا آداب بجالا رہی ہیں، فوجدار خاں فیل خانے کا داروغہ حاضر خدمت ہوتا ہے، "مولابخش" ہاتھی کو رنگنے کا حکم صادر فرماتے ہیں، توپیں ڈیرے فرش فروش عیدگاہ بھیجا جارہا ہے۔

شہر میں نقارے کی آواز اور توپوں کی دھوں دھاں نے گھر گھر چاند کا اعلان کردیا ہے۔ ہر گھر میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے، کیا چھوٹا اور کیا بڑا ہر ایک عید کی تیاری میں مصروف ہے۔ خرید و فروخت کا بازار گرم ہے بھیڑ اسقدر ہے کہ راستہ چلنا اور سودا خریدنا دشوار ہے۔ یہ کلاہ فروش کی دوکان ہے، خریداروں کا ہجوم ہے، کوئی دوپلڑی، کوئی چوگوشی، اور کوئی مغلئی ٹوپی خرید رہا ہے، کوئی مُندیل پسند کرتا ہے، تو کوئی بنارسی دوپٹہ، اور کوئی گوٹے دار پگڑی، گندی کی بکری بھی خوب ہورہی ہے، لوگ دھڑا دھڑ عطر، تیل، مسی اور مہندی خرید خرید کرلے جارہے ہیں۔ گندی کی دوکان کے نیچے سڑک کے کنارے دو پھول والے پھولوں کا چھبہ لگائے پھول پھیلائے

کنٹھے بنانے میں مصروف ہیں، پھولوں کی خوشبو سے سارا بازار پڑا مہک رہا ہے، ان کے چاروں طرف پھولوں کے عاشق اور کنٹھوں کے دلدادہ کھڑے ہیں کہ کب کنٹھا تیار ہو اور ہم خریدیں دونوں پھول والے کنٹھے بناتے جاتے ہیں، اور باری باری لہک لہک کر آواز بھی لگاتے جاتے ہیں "لوکٹورے موتیا میاں لوکٹورے موتیا، کیا لپٹیں آرہی ہیں چنبیلی میں کیا بہار ہے زرد چنبیلی میں"

منہیار کی دوکان بھی عطر والے کی دوکان سے تھوڑی ہی دور آگے ہے، طرح بہ طرح کے رنگین اور جڑاؤ چوڑیوں کے لچھے اور لاکھ کے جوڑے چراغ کی روشنی میں پڑے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور لوگ جلدی جلدی اس طرح خرید رہے ہیں گویا وہ ہیرے اور یاقوت کی بانکیں ہیں کہ پھر کبھی نہ ملیں گی۔ جوتے والے کی دوکان پر یوں تو ہر قسم کے گھٹیا اور بڑھیا جوتیوں کے جوڑے موجود ہیں لیکن لمبے پنجے کی کامدار سلیم شاہی جوتی کے مقابلہ میں گول پنجے کی جوتی کو کوئی نہیں پوچھتا، جسے دیکھو سلیم شاہی خرید رہا ہے، درزیوں کی دوکانوں اور دھوبیوں کے گھروں پر لوگ گھڑی گھڑی آجا رہے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر تقاضا کر رہا ہے اور وہ ہیں کہ نرمی اور خوشامد سے باتیں ملا کر ٹھنڈا کر رہے ہیں۔

"سرکار! گھبرائیے نہیں برس دن پیچھے تو آپ کو ستانے اور انعام لینے کا موقعہ ملا ہے"

"حضور! ذرا دم لیجیے، استری کر رہا ہوں ساتھ ہی لیتے جائیےگا"

"میر صاحب! آپ بےفکر رہیں، آپ کی شیروانی میں صرف بٹن لگانے باقی ہیں، بچوں کی اچکنیں رات کو سی کر اٹھونگا، خدا نے چاہا صبح نماز سے

پہلے یہ سب کپڑے آپ کے گھر پہ ہوں گے، لیکن حضور میری عیدی نہ بھولئے گا آپکے دم سے بچے عید منا لیتے ہیں، خدا حضور کو سلامت رکھے،،

لوگ عید کا ضروری سامان لیکر اپنے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے ہیں، گلیوں میں ہٹے کٹے موٹے مسٹنڈے بینوا آزاد خمرے، رسول شاہی چار ابرو کی صفائی کئے اپنی اپنی صدا لگانے میں مصروف ہیں۔

"یا رب کی اور خیر سب کی، یہاں دے اور وہاں لئے تیرے آگے کی بھی خیر تیرے پیچھے کی بھی خیر،،

"مائی آج دے کل دے سائیں بابا کا سوال پورا کر دے، مولا کے شیر میری ہانڈی بھر دے، اللہ کے شیر میری ہانڈی بھر دے،،

وہ دیکھئے ایک صاحب اپنے بال بچوں کو لئے گلی میں داخل ہوئے فقیر نے صورت دیکھتے ہی پیسے ٹھگنے کے لئے دعائیں دینی شروع کیں

"الٰہی نواب صاحب کی خیر ہو، حویلیاں آباد رہیں، دعائیں دینگے سائیں بابا،

" خدا نواب صاحب کو ہر سال عید منانی نصیب کرے، لا بابا کچھ راہ خدا دے جا، بھلا کر بھلا ہو گا۔،،

گھر میں عید کی جو خوشی بچوں کو ہے اتنی کسیکو بھی نہیں، ایک ایک کو اپنی ٹوپیاں اور جوتیاں دکھاتے اور بغل میں لئے اچھلتے پھرتے ہیں۔ اُسے دیکھئے وہ اپنی جوتی سرہانے ہی رکھے سو رہا ہے، لڑکیاں اپنے گوٹے کناری کے کپڑے دیکھ دیکھکر خوش ہو رہی ہیں کھانا پینا سب بھولی ہوئی ہیں۔ بچیاں مہندی کی رکابی لئے بڑی بہن کے سر پہ سوار ہیں لگا نیکا تقاضا ہو رہا ہے،

"اچھی آپا! مہندی لگا دو"

"تم اتنے کھانا تو کھا آؤ میں یہ ستارے ذرا اپنے دوپٹہ میں ٹانک لوں پھر تمہارے مہندی لگا دونگی، جاؤ شاباش شاباش میری ننھی"

"نہیں نہیں... مہندی، باجی جان پہلے ہمارے مہندی لگا دو"

ماں نے جوں توں کرکے بچوں کے کام سے فراغت پائی ہے اب میاں کے کام کاج کی فکر ہے۔ سوئیاں اور کھانڈ نکال کر ایک طرف رکھی ہے، دودھ میں چھوارے بھگو رہی ہے تاکہ صبح تک شیر خرما تیار ہو جاتے۔

لیجئے وہ پو پھٹی صبح کے چار بج گئے، ایلو وہ توپ بھی چل گئی تمام خلقت جاگ اٹھی۔ کیا امیر اور کیا غریب، کیا بڑا اور کیا چھوٹا، ہر ایک نہانے دھونے میں مصروف ہے اور جتنا خدا نے جسکو دیا ہے اور جو بڑھیا گھٹیا لباس جسے میسر ہے، وہ اسی کو ہنسی خوشی پہن رہا ہے۔ بچے اپنے ریشمی جوڑے پہنے دولہا دلہن بنے الگ اکڑے اکڑے پھر رہے ہیں۔ عورتیں صدقۂ فطر تقسیم کرنے میں مشغول ہیں شیر خرما اور سوئیوں کی چکھا چکھی ہو رہی ہے۔

قلعہ میں عالم پناہ بھی بیدار ہیں، اول حمام فرمایا پوشاک بدلی، پھر جواہر خانہ میں تشریف لائے، فرق مبارک پر تاج شاہی رکھا، گلے میں موتیوں کا ہار پہنا، خاصہ برداروں نے دسترخوان پر سوئیاں، دودھ، اولے، بتاشے چھوارے خشکہ اور کھڑی مسور کی دال لگائی، بادشاہ سلامت نے پہلے نیاز دی، اس کے بعد تھوڑا سا منہ میٹھا کیا۔ پھر پان نوش فرما کر باہر برآمد ہوئے جسولینی نے خبرداری اور امان پکاری۔

"اللہ رسول خبردار۔ بادشاہ سلامت جہاں پناہ!"

چوبدار عصا سنبھال کر دست بستہ آگے چل رہا ہے ہر قدم پر آواز

لگاتا ہے۔

"ادب ہشیار، ادب ہشیار، باادب باملاحظہ ہشیار"

ترہی نفیری بجارہے ہیں۔

سواری کا حکم ہو رہا ہے، جلوس قاعدے سے کھڑا ہے، فوجدار خاں ہاتھی لگا رہے ہیں۔ کہاروں نے ہوادار پیش کیا، جہاں پناہ ہوادار میں بیٹھکر دیوان عام میں تشریف لائے، وہاں پہنچکر ہاتھی پر سوار ہوئے، اکیس توپیں سلامی کی چھوٹیں پھر قلعہ کے دروازے پر فوج نے سلامی دی، اب آگے پیچھے فوج ہے بیچ میں جہاں پناہ کی سواری ہے، پالکی میں ولیعہد بہادر اور گھوڑوں پر امرا سوار ہیں، باجہ بج رہا ہے، پیش خواص آواز لگا رہا ہے۔

"اقبال زیادہ، بڑھو آگے بڑھو"

نقیب اور چوبدار چیخ رہے ہیں۔

"قدم ہشیار، نگاہ روبرو، بادشاہ سلامت جہاں پناہ"

جلوس اسوقت چاندنی چوک میں ہے، سڑک کے دونوں طرف کی تمام چھتیں شہر کی بہو بیٹیوں سے بھری ہیں، کہیں چلمنیں پڑی ہیں، کہیں چادریں تنے ہیں، شاہی سواری دیکھی جارہی ہے۔ لوگ جھک جھک کر آداب او رمجرے بجالا رہے ہیں بادشاہ آنکھوں اور گردن کے اشارے سے سب کا مجرا لیتے جاتے ہیں۔ کڑکیت کڑکا کہتے اور چوبدار للکارتے جلتے ہیں۔

"ملاحظہ ادب سے کرو، مجرا جہاں پناہ! بادشاہ سلامت"

رعیت بھی بادشاہ کے ساتھ ساتھ خوشی خوشی عیدگاہ جارہی ہے، بعض گھوڑوں پر سوار ہیں، بعض کہار بردوش پالکی میں چلے آتے ہیں، کوئی رتھ میں بیٹھا ہے تو کوئی بہلی اور رنجھولی میں، کسی کے پاس ہوادار ہے اور کسی کے

پاس پشکرم ، بہت سے غریب بندگانِ خدا پیدل ہی جا رہے ہیں، بعض کثیر الاولاد ممتا کے مارے اپنے بچوں کو کندھوں پر لادے ۔ گودیوں میں چڑھائے ہانپتے کانپتے چلے جا رہے ہیں ۔لو! وہ سواری عیدگاہ کے دروازے پر پہنچی ، آمد کی توپیں چھوٹ رہی ہیں، جلوس اسوقت دوطرفہ کھڑا ہے ۔ جہاں پناہ شاہی ہاتھی سے نیچے اترتے ہیں، عیدگاہ میں داخل ہو کر شاہی خیمے میں تشریف لاتے ہیں ۔ امام کے پیچھے بادشاہ کا مصلیٰ ہے ، بائیں طرف ولیعہد کا ، دائیں طرف اور شہزادوں کے اور دوسری صف میں امرار و مصاحبوں کے سب اپنے اپنے مصلوں پر کھڑے ہیں ، نمازی اپنی اپنی صفیں درست کر رہے ہیں ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

امام جی کے ساتھ سب نے نیت باندھی کہیں کہیں کسی صف میں بیمار نمازی کھانس رہے ہیں، بے خبر معصوم بچے بلک بلک کر رو رہے ہیں ۔ نماز ختم ہوئی ، بادشاہ ولیعہد اور شاہزادے اپنے اپنے مصلوں پر بدستور بیٹھے ہیں، امام جی کو خطبہ کا حکم ہوا خطبہ کی توپ چلی قورخانے کا داروغہ اپنی جگہ سے اٹھا ، امام جی کے گلے میں کلابتونی پرتلہ اور تلوار ڈالی ، امام جی ممبر پر گئے ، تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھکر خطبہ پڑھنا شروع کیا ۔ خطبہ میں بادشاہ سلامت کا نام آتے ہی توشہ خانے کے داروغہ نے امام جی کو خلعت پہنایا ، بنارسی دوپٹہ کمر سے باندھا ، پانچ سو روپے نقد عیدی کے عطا ہوئے ، حاضرین نے بادشاہ سلامت کے نام پر آمین آمین کہا ، خطبہ ختم ہوتے ہی امام جی کے ساتھ ملکر بادشاہ اور تمام نمازیوں نے دعا مانگی ، نماز ختم ہونیکی توپیں چلیں ، عزیز ، دوست اور اقربا آپس میں گلے ملے ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دی ۔

اب دھوپ چڑھ چلی ہے جس شان و شوکت سے بادشاہ کا جلوس عید گاہ آیا تھا اُسی دھوم دھام کے ساتھ قلعہ معلیٰ کو واپس ہو رہا ہے، رعیت بھی اپنے گھر لوٹ رہی ہے، چلتے ہوئے کوئی اپنے بچوں کو کھلونے دلوا رہا ہے کوئی حلوائی سے مٹھائی خرید رہا ہے، کوئی پھل والے کی دوکان پر کھڑا پھل خریدنے میں مصروف ہے، گھر میں گھر والی کپڑے اور زیور پہنے بیگم بنی گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہے، ہاتھ میں سروتہ ہے آہستہ آہستہ چھالیہ کتر رہی ہے، شوہر اور بچوں کا انتظار ہے، لیجئے وہ سامنے سے گھر والے بھی چلے آتے ہیں، میاں کے دونوں ہاتھوں میں مٹھائی کی ٹوکریاں اور پھل ہیں۔ بچوں کے ہاتھوں میں طرح طرح کے کھلونے غرض لدے پھندے کھیلتے کھلاتے گھر میں داخل ہوئے، گھر والی میاں کو جھک کر عید کا آداب بجالائی اور مبارکباد پیش کی، بچوں نے اپنی ماں اور بڑی بہن کو سلام کیا، گلے لگ کر عید ملی، کھانے کا دسترخوان بچھا ہنستے بولتے سب نے مل کر پہلے کچھ کھانا کھایا پھر جی بھر کر مٹھائی اور پھل کھانے پینے سے فراغت پاکر عیدیوں کا لین دین شروع ہوا، عزیز، دوست اور رشتہ دار ایک دوسرے کے گھر عید ملنے کے لئے آجا رہے ہیں، نوعمر لڑکے دومنزلہ اور سہ منزلہ مکانوں کی اونچی اونچی چھتوں پر پتنگ بازی میں مصروف ہیں۔ ںکلا۔ کل چڑا۔ دو پلکا۔ دو پتا۔ کل دُمہ۔ کانڑا۔ کل سری۔ کل دمی۔ کلیجہ جلی۔ دو بانہ پریوں دار۔ الفن۔ آنکھیں ایک بلّی۔ دو بلّی۔ تبلی۔ چربلی۔ ڈور پر بڑھ رہی ہیں بچے باے پیسلی، دھیلیل، دو ہچیل، کنکوے معمولی ڈور پر مانجھا سوت کر اڑا رہے ہیں، ڈبا دب پیچ پر پیچ ہو رہے ہیں۔ کسی کا پتنگ چکرا رہا ہے تو کسی کا کنی کھا رہا ہے، کسی کی دال جیتو ہو گئی ہے۔ کوئی ڈھیل دے رہا ہے کوئی ٹھمکیاں لگا رہا ہے کوئی کھچائی میں مصروف ہے کسی کا کھٹکی لگ جانے سے ہتے پر سے

اکھڑ گیا ہے، کوئی اچم کرکے زبردستی گرانا چاہتا ہے اور جس غریب کا کٹ گیا، اسکی "وہ کاٹا وہ کاٹا بے وہ کاٹا، پیری ہے بے پیری کھکر" ہیٹی کی جا رہی ہے۔

لیجئے وہ بادشاہ سلامت کی سواری قلعہ معلیٰ میں داخل ہوئی جہاں پناہ دیوان خاص میں تخت شاہی پر بیٹھکر دربار فرما رہے ہیں، ولیعہد، شہزادگان اور تمام اُمراء، وزراء، علماء، مشائخ اور شعراء دربار میں حاضر ہیں، سب سے پہلے ولیعہد نذر کے لئے آگے بڑھے، نقیب پکارا

"جہاں پناہ بادشاہ سلامت، عالم پناہ بادشاہ سلامت، مہابلی بادشاہ سلامت"، اب باری باری شہزادگان امراء و وزراء اپنے اپنے رتبے کے مطابق نذریں دے رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت خلعت، پھولوں کے طرّے اور ہار مرحمت فرما رہے ہیں۔ بارہ بجے کی توپ چلتے ہی حضور اٹھ کھڑے ہوتے محل میں تشریف لے جا رہے ہیں جو بینی آواز لگا رہی ہے

"خبردار۔ پیر و مرشد، حضور عالی، بادشاہ سلامت، عمر دراز"، تمام بیگمات تعظیم کیلئے سر دقد کھڑی ہیں، بادشاہ اندر تشریف لاکر تخت شاہی پر بیٹھے، تخت کے برابر ملکہ معظمہ کی مسند ہے، خواجہ سرا مورچھل کر رہے ہیں، تمام بیگمات اور شہزادیاں اپنے اپنے رتبے کے مطابق بادشاہ اور ملکہ کو نذریں دے رہی ہیں، بادشاہ اور ملکہ عالیہ سب کو درجہ بدرجہ خلعت عطا فرما رہے ہیں۔

زنانہ دربار ختم ہوا۔ کھانا تناول کرنیکا وقت ہے، خاصے والیوں نے پہلے ایک سات گز لمبا، تین گز چوڑا چمڑا بچھایا۔ چمڑے پر ایک سفید دسترخوان، اس دسترخوان کے بالکل بیچ میں دو گز لمبی ڈیڑھ گز چوڑی چھ گرہ اونچی چوکی رکھی، پھر چوکی پر از سر نو ایک اور چمڑا اور سفید دسترخوان بچھاکر طرح بہ طرح کے بیشمار

کھانوں کو جو مہر لگے ہوئے خوانوں میں رکھے تھے دسترخوان پر چنے۔ کھانوں پہ سونے چاندی کے ورق چمک رہے ہیں، مشک زعفران عنبر، گلاب کیوڑا چھڑکا جا رہا ہے، جہاں پناہ نے بسم اللہ فرما کر لقمہ اٹھایا۔ ادھر لقمہ اٹھایا ادھر چوبدار پکارا ——— "خاصہ مبارک"

چوبدار کی آواز محل کے باہر نقارچی نے سنی، فوراً نقارے پر چوٹ ماری دیگوں کے منہ کھل گئے، بھوکی رعیت عید کے کھانوں پر ٹوٹ پڑی لیکن کھلانے والوں نے بھی اس طرح کھلایا کہ کھانے والوں کے جی بھر گئے، خوب سیر ہو کر اٹھے اور بادشاہ کی جان و مال کو دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے جہاں پناہ بھی کھانا نوش فرما کر آرام گاہ تشریف لے گئے۔

آج قلعہ کے باغ میں مینا بازار لگا ہے، ملکۂ عالم شہزادیوں، بیگموں اور شاہی خاندان کی بیویوں کے ہمراہ مینا بازار کی سیر میں مصروف ہیں باری باری ہر ایک کی دوکان پر جاتی ہیں۔ جو چیز پسند آتی ہے ایک روپے کی بجائے سینکڑوں اور ہزاروں میں خرید لیجاتی ہے بیچنے والی نہال اور اسکا سارا خاندان عمر بھر کے لئے فارغ البال ہو جاتا ہے۔

رات کا منظر اور خوشیاں بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، قلعہ اپنی آرائش و زیبائش میں چوتھی کی دلہن بنا ہوا ہے، ہر طرف نور ہی نور برس رہا ہے رات دن معلوم ہوتا ہے شہزادے اور شہزادیوں کے زربفت اور کمخواب کے لباس قندیلوں اور قمقموں کی روشنی میں جھلملا رہے ہیں ڈومنیوں کا ایک طائفہ ولایت توران سے آیا ہوا ہے، دوسرا طائفہ دلّی کے مشہور تان رس خان کی چوکی کا ہے، دونوں طائفے محل میں حاضر ہیں، پہلے تورانی طائفہ کو اشارہ مرحمت ہوا۔ سازندوں نے پس پردہ اپنے ارغنون اور چنگ و رباب

کو چھیڑا، ڈومنی نے کھڑے ہو کر حضرت خسرو علیہ رحمۃ کی یہ رباعی پڑھی۔

عید گاہِ ما، غریباں کوئے تو — انبساطِ عید دیدن روئے تو

صد ہزاراں ماہ قربانت کنم — اے ہلالِ عید برابروئے تو

اس کے بعد تان رس خاں کی چوکی کو حکم ملا۔ سازندے جو قنات کے پیچھے تیار کھڑے تھے فوراً طبلے سارنگی اور تال کی جوڑی کو بجانے لگے، رقاصہ ایک دلفریب انداز سے اٹھی، اور آداب و مجرا بجالاتی ہوئی ملکہ کے روبرو کھڑی ہو کر عمر خیام کی اس رباعی کو پہلے گا کر سنایا۔

جانا بکدام دست برخاستۂ — کز طلعتِ خویش ماہ راکاستۂ

خوبانِ جہاں بعید روآرایند — تو عید بروئے خویش آراستۂ

پھر نرت کے ذریعہ اس حسن و خوبی سے ادا کیا کہ کمالاتِ نرت کے سامنے تمام ساز پھیکا پڑ گیا۔ ملکۂ عالم دونوں طائفوں کو زر و جواہر دیکر مالامال کر رہی ہیں۔

دوسری طرف جہاں پناہ کی خدمت میں استاد ذوق حضرت غالب اور چند دوسرے شعرا حاضر ہیں مشاعرہ کی محفل گرم ہے، شعرا اپنا اپنا کلام سنا کر دادِ سخن حاصل کر رہے ہیں سنیئے وہ غالب اپنا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔

قصیدہ

ہاں مہ نو سنیں ہم اسکا نام — جسکو جھک کے تو کر رہا ہے سلام

کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا — ہیں مہ و مہر و زہرہ و بہرام

تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن — نامِ شاہنشاہ بلند مقام

قبلۂ چشم و دل بہادر شاہ — مظہر ذوالجلال والاکرام

کاتبِ حکم نے بموجب حکم | اِس رقم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روانیٔ آغاز | ہو ابد تک رسائیٔ انجام

جہاں پناہ مسکرا رہے ہیں، ذوق کی طرف دیکھکر فرماتے ہیں "استاد کچھ آپ بھی"
ذوق دست بستہ کہتے ہیں "پیر و مرشد! درست، عرض کرتا ہوں۔

قصیدہ

ساون میں دیا پھر مہِ شوال دکھائی | برسات میں عید آئی قدح کش کی بن آئی
کرتا ہے ہلال ابروئے پُرخم سے اشارہ | ساقی کو، کہ بھر، بادہ سے کشتیٔ طلائی
شاہا تیری جلوے سے ہے یہ عید کو رونق | عالم نے تجھے دیکھ کے ہی عید منائی
دیتا ہے دعا ذوق کہ مضمونِ ثنا میں | ہے ذہن رسا کو یہ کہاں اسکے رسائی
ہر سال شہا ہووے مبارک یہ تجھے عید
تو مسندِ شاہی پہ کرے جلوہ نمائی

دِلّی کی شادی

"بیوی اور شوہر کے درمیان
محبت ایک رشتہ ہے جو دو
روحوں کو آپس میں متحد کرتا
ہے اور یہی وہ ڈورا ہے جس
میں معنویت کے موتی پروئے
جاتے ہیں۔"
اِن موتیوں کے پِرونے
کا تماشا دیکھنا ہو تو دولہا بنکر
دیکھیے، دولہا دلہن کس طرح
بنتے ہیں، شادی کیونکر
رچائی جاتی ہے۔ یہ سب
آپ کو "دلی کی شادی"
پڑھنے سے معلوم ہو سکتا
ہے۔

نسبت

زماں خاں۔ شاید ثریا کے لئے اتنے پیام تمہارے پاس نہ آئے ہوں گے جتنے تقاضے تم اُس کی شادی کے متعلق مجھ سے کر چکی ہو۔ آخر ایسی جلدی کیا ہے؟ پندرہ ہی برس کی تو ہے۔ تم کو ابھی سے بھاری ہونے لگی

اشرف بیگم۔ تو کیا وہ عمر بھر کواری بالی ہی رہے گی۔ خدا رکھے ہے تو پندرہ ہی برس کی لیکن اُس کا اٹھان ماشاء اللہ ایسا ہے کہ وہ اس وقت پوری عورت معلوم ہوتی ہے۔

زماں خاں۔ یہ بالکل ٹھیک ہے اور مجھے اُس کی شادی کرنے میں بھی کوئی انکار نہیں میرا مطلب تو یہ تھا کہ پنشن میں صرف ایک سال باقی ہے میں ملازمت سے فارغ ہو کر گھر آجاؤں تو اطمینان سے شادی کی فکر کروں۔

اشرف بیگم۔ اونہہ! اطمینان اور سکون تو انسان کو مرتے دم تک حاصل نہیں ہوتا، رہی پنشن وہ ہوتی رہے گی۔

زماں خاں۔ تو کیا چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کرنے کا ارادہ ہے۔

اشرف بیگم۔ ہاں، اچھے لڑکے کوارے نہیں بیٹھے رہتے۔
زماں خاں۔ تو کیا لڑکی بیٹھی رہتی ہے؟
اشرف بیگم۔ تم تو الٹی الٹی باتیں کر رہے ہو، میرا مطلب یہ ہے کہ کل جو رقعہ مغلانی لائی ہے وہ مرزا ہمایوں کے بیٹے اختر کا ہے، میرے خیال میں بات اچھی ہے اگر اس کو منظور نہ کیا تو ممکن ہے پھر ایک سال بعد ایسا پیام نہ ملے۔
زمان خاں۔ تو اس بات میں خوبی کیا ہے۔
اشرف بیگم۔ یہی کہ مرزا ہمایوں کا خاندان مشہور و معروف ہے لڑکا تعلیم یافتہ اور بارو زگار ہے۔ مزاج کے متعلق بھی سنا ہے اچھا ہے۔ اب کرو یا نہ کرو، تمہیں اختیار ہے۔ میری سمجھ میں جو آیا وہ کہہ دیا۔
زماں خاں۔ ہوں! تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ مرزا ہمایوں کی بیوی ممتاز بیگم کیسی بدمزاج عورت ہے۔
اشرف بیگم۔ ہونے دو، نباہ تو لڑکے سے ہوگا، وہ اپنی ذات سے اچھا ہے اور پھر میری بیٹی یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ شوہر کے حقوق کیا ہیں اور ساس نندوں سے کس طرح ملنا چاہیے۔
زماں خاں۔ بیشک لڑکی تو میری نیک اور سمجھدار ہے اور وہ کریگی بھی وہی جو تم کہہ رہی ہو۔ اچھا تمہاری خوشی ہے تو پھر منظور کر لو، مغلانی سے کہلا بھیجو کہ وہ پرسوں شام آکر نشان چڑھا جائیں اور شادی کا دن مقرر کر لیں۔

منگنی

مغلانی ۔ لو بیگم صاحب، مبارک! آج تو ہماری بنّو ثریا کی منگنی ہے، جُگ جُگ شادیاں ہیں۔ خدا رکھے آج اِس گھر میں کیسی رونق ہے۔

شرف بیگم ۔ ہاں بوا، تمہیں بھی سلامت ہو۔ یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا تو ہے۔

مغلانی ۔ واری، کیوں گنہگار کرتی ہو۔ تمہارے آگے ہماری کیا اوقات، ہزار ہم بوڑھے سہی لیکن نمک خوار تمہارے ہی ہیں۔ ہاتھی پھرے گانوں گانوں جس کا ہاتھی اُس کا نام۔ تمہارا نام اور اقبال ہی تو تھا جو ایسی اچھی بات اتنے جلدی مل گئی ورنہ مغلانی تو شاید عمر بھر ہی ٹٹولتی رہتی۔

شرف بیگم ۔ بوا، یہ تمہاری شرافت ہے جو تم ایسا کہتی ہو اب جس اللہ نے یہ جوڑی ملائی ہے اُس سے دعا ہے کہ سہرے کے پھول بھی ایسے کھلائے جو دولہا دلہن کے جیتے جی ہمیشہ کھلے رہے۔

مغلانی ۔ آمین الٰہی آمین، اللہ تمہاری بیٹی کی مانگ بھرے تمہارا کلیجہ ٹھنڈا رہے الٰہی تم رہتی دنیا تک جیو، بوڑھ سہاگن ہو، ہمیشہ سکھ ہی سکھ دیکھو، ثریا بیٹی تو پلک اٹھا کر راج کرے۔

ہار ۔ سواری اتروالو۔

سواری اتروالو۔

نی ۔ ابلو وہ سمدھنیں بھی آنے لگیں اری او گلشن جلدی پھولوں کی چنگیر لا، نشان اور مٹھائی کے خوان پیچھے رکھوائی رہیو۔

گلشن ۔ آئی مغلانی بی آئی ۔

سمدھنیں ڈولیوں میں سے اُتر اُتر کر اندر مکان میں داخل ہو رہی ہیں ، پھولوں کے ہار پہنائے جا رہے ہیں ۔ سمدھنیں ہار پہن پہن کر شکریہ ادا کر رہی ہیں ۔

"شکریہ ، شکریہ !"

"اجی اس کی کیا ضرورت تھی"

"بہت تکلف فرمایا آپ نے"

"آداب ! آداب !!"

سامنے بڑے کمرے میں دلہن سر سے پاؤں تک سرخ ریشمی جوڑا پہنے ، سر جھکائے گھونگھٹ لٹکائے گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہے ، دولہا کی اماں گھونگھٹ اٹھا کر دلہن کا منہ دیکھ رہی ہیں ، دلہن کے حسن کی تعریف کرتی جاتی ہیں اور پھولوں کے گہنے پہناتی جاتی ہیں ۔

ممتاز بیگم ۔ "سبحان اللہ ! کیا چاند سا مکھڑا ہے ، قربان ہو گئی تھی اس پیاری صورت کے آ میری بنو میں تری بلائیں تو لے لوں ۔

رضیہ ۔ جی ہاں ! میری بھابھی چاند سی نہ ہوں گی تو اور کون ہو گا ، بھابھی لو یہ انگوٹھی اور چھلا تو پہنو ، آئیے آئیے خالا جان ، اے بی چچی تم بھی تو آؤ ، لیجئے یہ مصری کی ڈلیاں کھلائیے ۔ اچھی ممانی جان آپ بھی ، دیکھو بھابھی جان ساتوں ڈلیاں کھانی پڑیں گی کبھی منہ سے نکال کر چپکے چپکے رومال میں رکھتی جاؤ ۔

ممتاز بیگم ۔ لو بوا اب کھلا چکیں میں یہ نشان کے روپے اور اشرفیاں تو دلہن کو دیدوں ، لو دلہن بیوی لو ، خدا تمہارا سہاگ قائم رکھے ۔

مغلانی ۔ دولہا دلہن کی اماں اور بہنوں کو مبارک ہو اور دونوں میاں صاحب کو بھی سلامت ہو الٰہی آمین!

مائینوں

کہار ۔ سواری اتروالو ۔ سواری اتروالو چھوٹی بیگم کے ہاں سے سرکار آئی ہیں
اشرف بیگم ۔ آؤ بوا، آؤ بہت جلدی آئیں کیا ٹھیک ہے ماں سے زیادہ بیٹی کا پائنچہ بھاری ہے۔
نجمہ ۔ کیا کہوں خالہ جان بچوں کو بناتے سنوارتے دیر ہو گئی۔
اشرف بیگم ۔ دیر کی بھی کوئی حد ہے، تمہارے انتظار میں ابھی تک ثریا کو مائینوں بھی تو نہیں بٹھایا۔ لو آؤ ان سے بھی ملو یہ بھی تمہاری بہن ہوتی ہیں۔
نجمہ ۔ بہن آپ کا نام!
سلطانہ ۔ مجھے سلطانہ کہتے ہیں ۔ (قہقہہ)
اشرف بیگم ۔ بوا، یہ بڑی چنچل ہے بغیر ہنسی نوالہ بھی نہیں توڑتی ۔ چلو اب دیر ہوتی ہے ثریا کو مائینوں بٹھائیں۔
سلطانہ ۔ اے بی انوری، وحیدن ستارہ تم کیوں چپ ہو، بیٹھی بکر بکر پان تو چبا رہی ہو، سہاگ گھوڑیاں گاؤ نا۔
ڈومنیاں ۔ حضور آج آپ کا نہ کھائیں گے تو اور کس کا کھائیں گے ۔ لیجئے سنئے۔

سہاگ گھوڑی

"ناجوری، ناجو گھونگھٹ کھول، گھونگھٹ میں تیرے چندر بست ہے

لال لگے انمول ، نا جوڑی نا جو گھونگھٹ کھول ،،

نجمہ ۔ لو بہن تم یہ پینڈی کا ٹکڑا تو کھاؤ ۔

سلطانہ ۔ یہ میری طرف سے بھی ۔

نجمہ ۔ یہ میری طرف سے ایک اور

سلطانہ ۔ بس بوا بس کیا ساتوں دفعہ تم ہی کھلاؤ گی آخر اور بھی تو رشتے کنبے کی بہنیں ہیں ۔

نجمہ ۔ ہاں ہاں خدا رکھے بہت سی ہیں لو وہ بھی کھلا رہی ہیں ۔

سہاگ گھوڑی

ڈومنیاں :۔ " کھائے نہ جانے پینڈیاں لاڈو میری } سیانی ہونے دو
باندھے نہ جانے بند

باوا نے کس دیا ڈولا اماں بیوی جانے نہ دے ،،

چچا نے ،، چچی ،، ،، ،،

بھائی نے ،، بھابھو ،، ،، ،،

سلطانہ ۔ خالہ جان آپ کیا دیکھ رہی ہیں آئیے نا ، یہ پان دلہن کے ہاتھ پر رکھکر پینڈیاں رکھتے روپے دیجئے ۔

اشرف بیگم ۔ یہ لو بیٹی اب ہم تمہارے فرض سے ادا ہوئے اب جم جم اندر جاؤ کوئی نمکین چیز نہ کھا لینا ہاں میری بیٹی شاباش !

پینڈیاں کھلا کر اب لڑکیاں بالیاں دلہن کو اندر لیجا رہی ہیں ، دلہن کے ابٹنا ملا جا رہا ہے ، ابٹنا ملتے ملتے آپس میں ابٹنا کھیلنے بھی لگیں ، ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہا جا رہا ہے اور خوب گتھم گتھا بھی ہو رہی ہے ۔

"نہیں بوا نہیں مجھے معاف رکھو ابھی خدا کے لئے مجھے مت ستاؤ۔ نہیں بوا کیا۔ یہ دیکھو! ہا ہا! ہا ہا!!"

"دیکھو یہ چلبلا پن کسی اور سے کرنا۔ اگر تم نے میرے ملا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں"

"دیکھو تو تم نے مجھے بالکل لتھیڑ دیا ہائے اللہ مجھے تو زکام بھی ہو رہا ہے"

"کیا خوب اور ہم جو سنیں گے یہ ایسی اچھوتی کا ٹیکہ ہیں کہ کوئی ان کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔"

"اچھا ٹھیر تو سلطانہ کی بچّی دیکھ تو میں بھی تیری کیسی خبر لیتی ہوں آؤ آؤ ہم سب ملکر اس کو ستائیں۔"

ساچق

مغلانی۔ بیگم اجی بیگم، میں قربان جاؤں ذرا اوپر چلکر تو دیکھو ساچق کا جلوس کس شان سے آ رہا ہے۔

اشرف بیگم۔ بس بوا رہنے دو، بوڑھے منہ دہاسے لوگ چلے تماشے میں جاکر کیا کرونگی۔ سلطانہ اور نجمہ جیسی لڑکیاں دیکھیں تو بات بھی ہے۔

نجمہ۔ اے خالہ جان دیکھ بھی لو۔

اشرف بیگم۔ نہیں بیٹی پھر سمدہنوں کی پیشوائی کون کریگا۔

سلطانہ۔ آؤ نجمہ آؤ۔ دیکھو وہ آگے آگے نشان کا ہاتھی کیسا جھومتا جھامتا آ رہا ہے۔

بجمہ۔ اور تمہاری تڑک بھڑک اور چٹک مٹک کیا اس سے کچھ کم ہے
سلطانہ۔ اچھا تم کو بھی ہوا لگی۔

عورتیں ساچق کا جلوس دیکھنے میں مصروف ہیں آگے آگے نشان کا ہاتھی ہے اس کے پیچھے پھولوں کی ٹیٹوں میں نقار خانہ ہے، نوبت بج رہی ہے، بلیّوں پر بانسوں کی ٹھاٹر ہندی ہے، ان پر تمامی منڈھی ہوئی ہے، چھوٹے چھوٹے لڑکے ابرک کے روشن کنول ہاتھوں میں لئے ناچتے ہوئے آرہے ہیں۔ چماریوں کے سروں پر کھاچیاں ہیں کھاچیوں میں مٹی کی ٹھلیاں ہیں، ٹھلیوں میں دودھ اور شربت ہے، ان کے بعد کہاریوں کی قطار ہے، ان کے سر پر بڑی کے خوان ہیں، سب سے آخر میں پالکیوں رتھوں اور ڈولیوں میں سمدھنیں سوار ہیں، خواص خاص بردار، اور چوبدار "ہٹو بڑھو" کہتے ہوئے آرہے ہیں۔

جلوس گلی میں داخل ہوگیا، آرائش لٹنے لگی، کسی کے ہاتھ میں کنول ہے تو کوئی بانس لئے ہوتے بھاگ رہا ہے۔ اسی گڑبڑ میں دو ٹھلیاں بھی لوٹ گئیں۔

سمدھنیں گھر میں داخل ہو رہی، دلہن والیاں سمدھنوں کی مانگ میں صندل بھر رہی ہیں اور پھولوں کے ہار پہنا رہی ہیں۔ مغلانی کہاریوں اور چماریوں پر اپنا حکم چلانے اور تعمیل کرانے میں مصروف ہو

"اری او بچھمی دیکھ یہ مہندی، نقل، مصری اور میوے کے خوان ادھر رکھ اور رنگنا دیئی تو اپنی کشتی الگ رکھیو ایسا نہو تیل اور عطر بکھر جائے دیکھ کنگھیاں بھی اسی میں رکھی ہیں، جمنا تو کہتا ہے وہاں کھڑی رہیگی جتنے پہننے کے جوڑے ہیں ان سب کے خوان،

کیوں نہیں اترواتی۔"

سمدھین گاؤ تکیہ سے لگی بیٹھی ہیں، ہر ایک کو پان سپاری تقسیم ہو رہی ہے لیجیے وہ دلہن کی بہنا ور بھاوج نے دلہن کا گھونگٹ اٹھایا، پھولوں کا گہنا پہنا کر مصری کی ڈلیاں ایسی جلدی جلدی کھلا رہی ہیں کہ غریب دلہن نہ تو کھا سکتی ہے اور نہ ہی منہ سے نکال کر رومال میں چھپا سکتی ہے، مصری کی ڈلیا کھانے کے بعد اب دلہن کو پان کھلایا جا رہا ہے، دولہا کی اماں دلہن کو نشان میں روپے دئے، چڑھاوے کا زیور پہنایا اور قریبی رشتہ کی عورتیں بھی زیور دے رہی ہیں دولہا کی اماں بتاتی جاتی ہیں کہ یہ زیور کس کی طرف کا ہے

"یہ جھومر بہن کی طرف سے ہے"

"یہ مالا دولہا کی خالہ دے رہی ہیں"

"یہ چوڑیاں ممانی چڑھا رہی ہیں"

"یہ جھلنیاں چچی کی ہیں"

ڈومنیاں شادیانے گانے میں مصروف ہیں، محفل کی رونق دوبالا ہو رہی ہے۔

شادیانہ

ہریالی بنو ہووے مبارک شادی
بنے کی بنو ہووے مبارک شادی
جُگ جُگ نِت نِت ہووے آبادی
بنے بنو ہووے مبارک شادی

نجمہ۔ دیکھنا، اس شادیانے کے ایک ایک لفظ سے کیسی خوشی اور شادی ٹپک رہی ہے۔

سلطانہ۔ اے شاید تم نے وہ شادیانہ نہیں سُنا جو پہلے قلعہ میں
گایا جاتا تھا وہ سنو تو بس رہ ہی جاؤ اری انوری ستارہ
یاد ہو تو سناؤ نا۔
ڈومنیاں۔ قربان جاؤں کیوں نہ سنائیں گے۔

شادیانہ

نوشہ پیارے بنے کی راج دُلاری بنڑی
موتیوں مانگ بھری کتنی پیاری بنڑی
سمدھنیں آئی ہیں ساچق کا چڑھاوا لے کے
دیئے جاتی ہیں انگوٹھی وہ تمہاری بنڑی
بنا آیا ہے بنی سارے براتی لے کے
اپنے گھونگھٹ میں ذرا سر نواری بنڑی
دیکھ آرسی مصحف کو جو نوبات چھپی
بنا پاؤں پہ گرا کہہ کے ہماری بنڑی

لیجئے شربت پلائی کا وقت آیا، مغلانی کشتی میں شربت کا شیشہ اور گلاس لیکر کھڑی ہے نجمہ اور سلطانہ شربت پلانے اور سمدھنوں کا منہ پوچھنے میں مصروف ہیں۔

"لیجئے شوق فرمایئے"

"شکریہ"

"خالی شکریہ نہیں، یہ تھوڑا سا اور"

"نہیں نہیں بس یہی کافی ہے"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے، بس یہ دو گھونٹ اور"

"بس بوا بس۔ میں پی چکی اب ان کو پلاؤ۔"

"لایئے میں آپ کا منہ تو صاف کر دوں"

"اے پھٹکار یہ منہ پوچھتی ہو یا کبھی کا بیر نکالتی ہو"

"بوا میرا منہ بھی اسی طرح پوچھا کہ منہ چھوڑ میری باچھیں تک کھل گئیں"

"شاباش بوا شاباش دیکھت کی تو تم کامنی سی ہو مگر ہاتھ لوہے کی میخیں ہیں"

"جی ہاں! ہماری سمدھن بنا ٹھاٹ تھوڑی ہے۔ منہ پچھوانے میں میں بولا گئیں۔ جب ڈومنیوں کی گالیاں کھاؤ گی تو اسوقت معلوم ہو گا کہ کیسے بیٹی کا ساٹھ ہوتا ہے"

ڈومنیاں۔ ہاں حضور آپ نے سچ فرمایا۔ بغیر گالیوں اور سیٹھنیوں کے ہمیں کون انعام دیتا ہے۔ لایئے ہماری بیل نہیں تو سنئے۔

گالی یا سیٹھنی

سمدھی میرے گھر آیا، ڈالوں وا کے گلے موتیوں کا ہروا
سات سکھیوں میں ایسا لاگے جیسے بسنت کا گڑوا
.... جیسے ہولی کا بھڑوا

سمدھن۔ نہیں۔ خدا کی مار ہو تم پر ان گالیوں کو ختم کرو، لو یہ اپنی بیل۔

مغلانی:۔ چلو۔ بیویو! سوار ہو، مرد چلا رہے ہیں

برات

برات کی دھوم اور خلقت کا ہجوم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔
سب سے آگے نوبت نفیری باجہ ہے، اس کے پیچھے دولہا زربفت کی شیروانی اور پھولوں کا زیور پہنے سفید آراستہ گھوڑے پر سوار ہے، ذرا انداز تو دیکھئے ایک ہاتھ میں لگام ہے دوسرے میں رومال جسے منہ پر رکھ چھوڑا ہے۔ براتی پیچھے پیچھے آرہے ہیں لیجئے وہ برات گلی میں داخل ہوئی دونوں طرف چھتوں پر عورتیں کھڑی ہیں، برات دیکھی جارہی ہے گلی کے لڑکے غل مچارہے ہیں۔

"دولہا چکی چولہا، دولہا چکی چولہا"

لیجئے دولہا کا گھوڑا دلہن کے دروازے پر رکا، دولہا دلہن کے بھائی دونوں طرف کھڑے اپنے اپنے موقعہ کی تاک میں ہیں کہ ادھر دولہا اُترے اور اُدھر ہم سوار ہوں دیکھنا دولہا کا بھائی سوار ہو گیا۔ اب اپنا نیگ لئے بغیر وہ گھوڑے سے نہ اتریگا۔

آیئے اب مردانے میں چلیں، دولہا دلہن کے رشتہ داروں عزیزوں اور دوستوں سے محفل بھری ہوئی ہے، قاضی جی نکاح نامہ لکھ رہے ہیں لیجئے وہ انہوں نے خطبۂ نکاح پڑھنا شروع کیا۔ اب دلہن کے وکیل و گواہوں کی معرفت ایجاب وقبول ہو رہا ہے۔

"آپ نے مسماۃ ثریا بانو بنت زماں خاں کو مرزا اختر ولد مرزا ہمایوں کے نکاح میں بعوض مبلغ دس ہزار روپے مہر نصف موجل و نصف معجل کے اُس کی زن وزوجیت میں دیا۔"

"ہاں دیا۔"

"آپ دونوں گواہوں نے سُنا۔"

"سُنا"

"آپ نے مسماۃ ثریا بانو بنت زماں خاں کو بالعوض مبلغ دس ہزار مہر نصف موجل و نصف غیر موجل کے اپنی زن وزوجیت میں چاہا قبول اپنے نکاح میں لائے۔"

"ہاں قبول کیا اور اپنے نکاح میں لایا۔"

نکاح ختم ہوا، دولہا اور حاضرینِ مجلس دعا مانگ رہے ہیں چھوارے۔ شہد سے مبارک باد دے رہے ہیں۔

"الٰہی سازگاری ہو محمدؐ کا صدقہ"

"الٰہی دولہا ستر پوتا ہو"

"دولہا کے باوا کو پوتے پڑپوتے کھلانے نصیب ہوں"

دولہا والوں کی طرف سے مٹھائی اور دلہن والوں کی طرف سے بن سپاری کی طشتریاں تقسیم ہو رہی ہیں، دولہا کے بھائی اور دوست اپنے شہر باری باری بیٹھ کر مہمانوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ جو سنتا اور پڑھتا ہے دادِ سخن دیتا ہے۔ علیحدہ اپنا نیگ لینے کے لئے بُری طرح لڑ رہے ہیں۔

"سرکار یہ مٹھائی تو بٹتی رہے گی پہلے ہمارا انعام اور دوشالہ دلوائیے"

"جی ہاں! بڑی مدت میں خدا نے یہ دن دکھایا ہے"

"یہ کیا دے رہے ہو میاں، رکھو اسے پچیس سے کم نہیں لیں گے یہ سب بیٹھے ہیں پوچھ لو اِن سے دو سو روپے اور دوشالہ تو انہوں نے کے وقت دیا تھا"

"برسوں سے جامع مسجد کی سیڑھیاں چاٹ چاٹ کر دعا کرتے ہیں، خدا خوش رکھے ہمیشہ خوشی کا شادیانہ گاتے ہیں"

شادیانہ

دھوم شادی کی دھواں دھار مبارک ہووے
پیاری دلہن کو یہ دلدار مبارک ہووے
طوطیاں گاویں چہک کر تیری محفل میں بنے
سہرا پھولوں کا زری دار مبارک ہووے

بشکل تمام شہد سے اپنا انعام و اکرام لیکر چلتے ہوئے اب دولہا میاں سہرا لٹکائے گردن جھکائے منہ پر رومال ڈالے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے اندر زنان خانے میں جا رہے ہیں، یہاں ریت رسم ادا ہوگی دولہا کی بہنیں، بھائی کے سر پر آنچل ڈالے ہوئے دلہن کے پاس لیجا رہی ہیں ڈومنیاں گانے میں مصروف ہیں۔

بنا بنڑی کے لئے شبھ گھڑی آیا ری بنا
بنت گھڑی آیا ری بنا
سیجیں مخمل کی بچھیں تکیئے مشجر کے لگے
نور کے تنبو تلے لا کے بٹھایا ری بنا
چل کے دیکھو ری سکھی سب میں سوایا ری بنا

ریت رسم

دولہا دلہن باہم پاس بیٹھے ہیں، دلہن کی بہن، دلہن کے ہاتھ پر

تِل اور کھانڈ رکھکر دولہا کو چٹوا رہی ہیں جب دولہا جھک کر کھانے کا ارادہ کرتا ہے۔ دلہن کی بہن فوراً دلہن کا ہاتھ کھینچ لیتی ہے۔ اور "اے لوج یہ دولہا کیسا بھوکا ہے" کہکر دولہا کا مذاق اڑاتی ہے، ڈومنیاں خوب چہک چہک کر "ٹوٹنے" گا رہی ہیں

ٹونا

ہشیار رہیو بنّے ٹونا میں ہی کرونگی، سونا مکھی باندھوں، بنّے
کی دونوں آنکھیں باندھوں، بنّے کا بالا جی۔
اری لے ری سکھی بنا گڑ بھیلی، آرسی بنا ٹونا میں ہی کرونگی۔

لیجئے اب آرسی مصحف کا وقت آیا، دولہا دلہن سر سے سر ملا کر بیٹھے ہوئے ہیں دونوں کے سروں پر بہنوں نے دوشالہ ڈال رکھا ہے، دولہا دلہن کے درمیان تکیہ ہے۔ تکیہ پر قرآن اور آئینہ رکھا ہوا ہے۔ دولہا سورہ اخلاص پڑھکر دلہن پر دَم کر رہے ہیں، ڈومنیاں غلام کہنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔

"دولہا میاں دلہن سے کہئے بیوی میں تمہارا غلام، تمہاری اماں کا غلام۔ تمہارے ابا کا غلام۔ تمہارے سارے کنبے کا غلام، آنکھیں کھولو"

"واہ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے"
"اے اللہ کی اماں کی کہدو"
"دولہن آنکھیں کھولو میں تمہارا گلاب ہوں"
"نہیں نہیں سرکار، یہ گلاب ولاب سے کام نہیں چلے گا۔
"بیوی آنکھیں کھولو میں تمہارا غلام ہوں"
"کھولو بیوی آنکھیں کھولو"

سلطانہ۔ لو بھی لو آنکھیں کھول دیں، دونوں نے منہ دیکھ لیا۔
مغلانی۔ مبارک ہو مبارک ہو، لو بیوی اب دلہن کو ہنسی خوشی رخصت کرو
ڈومنیاں۔ الٰہی آپس میں سلوک اور اتفاق ہو۔ دولہا دلہن دودھوں نہائیں پوتوں پھلیں اری اور ستارہ منڈھا شروع کرو۔

منڈھا

کاہے کو دینی بدیس رے ۔۔۔ سن بابل مورے
بھیّوں کو دیئے محل دو محلے مجھکو دیا پردیس رے ۔۔۔ ״
ہم تورے بابل کھونٹے کی گیّاں جدھر ہانکو ہنک جائیں رے ۔۔۔ ״
ہم تورے بابل بیلے کی کلیاں گھر گھر مانگی جائیں رے ۔۔۔ ״
ہم تورے بابل جھالے کی چڑیاں رین بسیں اڑ جائیں رے ۔۔۔ ״
کوٹھے تلے سے پلکیا جو نکلی بیرن نے کھائی پچھاڑ رے ۔۔۔ ״
طاق بھری میں نے گڑیاں جو چھوڑیں چھوڑا سہیلا ساتھ رے ۔۔۔ ״
لے بابل گھر اپنا ہم چلے پیا کے دیس رے ۔۔۔ ״

یہ بھی کس قدر مجبوری اور لاچاری کا وقت ہے کہ ساری عمر پالا پوسا، اور ایک دو بولوں کے بعد اپنا کچھ زور اور دعویٰ نہ رہا، دلہن اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن سے بچھڑنے کی وجہ سے زار وقطار رو رہی ہے، ادھر ماں، باپ، بھائی، بہن اور قریبی رشتے کنبے داروں کی آنکھیں دلہن کی جدائی پر آنسوؤں سے نم ہیں۔ لیجئے وہ دولہا نے روتی ہوئی دلہن کو گود میں اٹھایا اور پالکی میں لا کر بٹھا دیا،

برات روانہ ہونے والی ہے۔ سقے نے صراحی، ماما نے پاندان،

بھنگن نے طشت چوکی، شہدوں نے چھپرکٹ، کہاروں نے ڈولیوں میں بہوڑے کا کھانا، چماریوں نے کھاچیوں میں جہیز کے برتن، مزدوروں نے جوڑوں کے صندوق اور ٹرنک، کرسیاں، میزیں، الماریاں غرض سب اپنی اپنی چیزیں سنبھال کر ایک دوسرے کے پیچھے قطاریں کھڑے ہوگئے، دلہن کی پالکی پر دولہا کی بہن نے اپنا ریشمی دوپٹہ ڈلوایا، خود پالکی میں دلہن کے پاس آکر بیٹھی، بہن کی دیکھا دیکھی دو چار اور لڑکیاں بھی بیٹھ گئیں، آٹھ کہاروں نے ملکر دلہن کی پالکی اٹھائی، چوبداروں نے "دوست شاد، دشمن برباد، اللہ رسول کی اماں" پکاری، برات روانہ ہوئی۔ دولہا دلہن پر سے پیسوں کی بجائے چاندی کے پھول روپے اور دونیاں، چونیاں نچھاور ہورہی ہیں لٹیرے لوٹنے کے لئے ٹیکے کے آموں کی طرح گدبد گدبد کرکر گر رہے ہیں۔

بڑی دیر کے بعد برات دولہا کے گھر پہونچی، مرد جہیز کا سامان سنبھال سنبھال کر رکھ رہے ہیں۔ جن عورتوں کو فوراً جانا ہے وہ کھانا کھاکر اپنے گھر جارہی ہیں جو گھر میں ہیں وہ سونے کی فکر میں ہیں لیکن آج کی رات سونا کہاں!

یہ تو تخت کی رات ہے، دو تین بجے تک نہ کوئی سوتا ہے اور نہ کسی کو سونے دیتا ہے۔ عورتیں مل بیٹھکر خود گاتی ہیں یا ڈومنیوں سے گواتی ہیں اُدھر دیکھیے انوری وحیدن اور ستارہ پر گھر والیوں کی جھاڑ پڑ رہی ہے "اری کم بختو کھانا ٹھونس کر کہاں اُجڑ گئیں تخت کی رات ہے کیا یونہی چپ رہوگی"

"اجڑ لے تے کہاں سرکار، خدمت میں موجود ہیں ذرا سا زردہ کھا

رہے تھے۔"

"سہاگ گیت بھی تو گاؤ زروہ تو رات بھر پچانکتی رہنا"،

"ایلو حضور ہمیں کیا انکار ہے۔ سنئے لیجیے"

سہاگ گیت

بنے مکھ دیکھ تیری بنّو ہے سہاگ بھری

تاروں بھینی رات ہے رہیو جیسے چندر کی کرن کھڑی

بنے مکھ دیکھ تیری بنو ہے سہاگ بھری

پھولوں سی بنی سوئے رنگ بھینی بنڑی رنگ بھینا بنڑا

عطر باسی بنّو سوئے " " " " "

گلے لاگی بنّو سوئے " " " " "

پھولوں باسی بنّو سوئے " " " "

مکان کی ساری فضا خوشیوں سے معمور ہے، دولہا دلہن محوِ خواب ہیں، شاید دلہن ماں باپ کی جدائی کا غم قطعی بھول گئی ہے۔ اور آئندہ پیش آنے والے نئے غموں سے بھی بالکل بے خبر ہے۔

دِلّی کے "کرخندار"

دِلّی کے بازاروں اور کارخانوں میں جو زبان ہمارے غیر تعلیم یافتہ اور بالخصوص کارخانے دار بھائی بولتے ہیں اُسے انگریزی میں کوکنی آبادی کی زبان کہا جاتا ہے یہ زبان صحیح معنوں میں اُردو زبان نہ سہی لیکن اپنی جگہ اتنی دلچسپ اور خوش آہنگ ہے کہ سنکر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

اِسکو قلمبند کرنے میں "میں جانوں اور میرا اللہ" نہ میری دو خلیفہ شدّو" سے دشمنی اور نہ "فجو پہلوان" سے کوئی بیَر، دونوں میں سے کسی کی بھی مذمّت مقصود نہیں بلکہ مجھے تو اپنی دِلّی اور دِلّی کے کارخانے داروں کی روزمرہ میں تمیز پیدا کرنا ہے تاکہ اُردو غلط نکتہ چینی اور بے جا اعتراض سے محفوظ رہے۔ اِس پر بھی خلیفہ جی مجھے گالیاں دیں تو وہ جانیں اور اُنکا ایمان۔

صبح کا وقت ہے، سات بج رہے ہیں، خلیفہ بندو کے مکان پر اُن کے ایک پڑھے لکھے دوست بابو ننھے خاں کھڑے ہیں کنڈی کھٹکھٹا کر اُن کو آواز دے رہے ہیں۔

بابو جی۔ خلیفہ، لے میاں خلیفہ جی۔

گھر والی۔ خدا کی سنوار ابھی منہ بھی نہیں دھویا ہے کہ خلیفہ جی کے چہیتے آنے شروع ہو گئے۔ اب میں ننھے کو بہلاؤں یا ان آنے جانے والوں کی خبر رکھوں .... اسے بھئی تم کون ہو؟

بابو جی۔ میں ہوں ننھے خاں، خلیفہ بندو ہیں؟

گھر والی۔ وہ تو ابھی سو رہے ہیں۔

بابو جی۔ اوہو ابھی تک! رات کب آتے تھے۔

گھر والی۔ معلوم نئی، یہی دو ڈھائی بجے آتے ہوں گے جو روز یا نہ آتے ہیں

بابو جی۔ اچھا اُن سے کہنا بابو ننھے خاں آئے ہیں مگر دیکھنا جگا نا مت"

گھر والی۔ اٹھنا..... اٹھو...... اے اٹھو نا تمہارے ننھے خاں آئے ہیں

خلیفہ بندو۔ وئی کیا آفت ہے کسی دَخت تمارے اِس ننھے سے فرصت بھی ملے گی یا نئی، جِد دیکھو ننھا ننھا، میں کوئی تمارے لنڈے کا خدمت گار ہوں

گھروالی۔ اے کون کئے رِیا ہے کہ تم بچےّ کو بہلاوَ کدِی بھلا یا بھی ہے
اِس نپستی پیٹے کو، خدمتگار تو تماری میں ہوں۔

خلیفہ بندو۔ خانا خا میں لڑتی ہو، صُبو ہی صُبو کو سیاپیٹی شروع کردی
اِتنا خیال نئی کہ میں رات کو آدھے بجے سویا ہوں

گھروالی۔ رات گئے روز یا نہ آتے ہو، روز سونے میں دیری ہوتی ہے
میرا کیا ہرجہ ہے پڑے رہو لمبی تانے، روئے جارے تو بھی۔
نپستی پیٹا کہیں کا اِسے مَلیا میٹ کردوں۔

خلیفہ بندو۔ ارے تو بگڑ کائے کو رئی ہے وہ تو بچہ ہے۔یونہی روتے جا نگا

گھروالی۔ یونہی روے گا تو ہماری بھی زبان چلے گی ساری رات بلکن تمام
رات اس موذی کے ہاتھوں جاگنا پڑتا ہے، خاک میں ملادوں
ایسے گھر کو نہ کم بخت دن چین نہ رات چین۔

خلیفہ بندو۔ پھیر جاری میں اٹھتا ہوں اِسکا مطبل یہ ہے کہ تو مجکو سونے
نئ دے گی میں تو کہتا ہوں کہ وئی جانیدو جانیدو اور تو ہے کہ
ٹرٹر کئے جاتی ہے اب سے بولی تو دیکھ قسم ہے ساڑھے سولہ آنہ
کی یہ جوتی کھینچ کے ماروں گا سُسری نائی کی بیٹی ہے قینچی کی
طریوں زبان چلے جاتی ہے۔

بابوجی۔ یہ کیا بات ہے خلیفہ جی، صبح ہی صبح لڑائی اچھی نہیں ادھر تو آؤ
مجھے تم سے ایک کام ہے۔

خلیفہ بندو۔ اماں کیا بتاؤں بابوجی ہماری گھروالی نے تو ہمارا ناک کی
پھلنگ میں دم کردیا ہے۔

بابوجی۔ ارے میاں تم کو تو میں بلا رہا ہوں اِس غریب عورت نے تم کو

کب جگایا ہے۔

خلیفہ بندو۔ کچھ نئی جی کچھ نئی آپ ٹھیریئے ابھی آ ریہ ہوں دو منٹ میں
اونیک بخت ٹیک کے زلدی سے ایک پان تو لگا دے۔ بابو
جی کو۔

گھر والی۔ لے آگ لگے اِن بابو جی کے دم کو، صبّو ہی صبو آ کے کل کل
کرادی، جاؤ نئی ہے پان وان ، میں کیا تماری یا دِن کی
تابعدار ہوں۔

خلیفہ بندو۔ اچھا یہ مطلب ہے تو آئندہ تو مجھ سے بات بھی نہ کریو بھلا
مجھ سے بھول کر بھی نہ بولیو۔

بابو جی۔ خلیفہ تم بھی لڑے جاتے ہو میں کہتا ہوں کہ تم ذرا باہر آؤ۔

خلیفہ بندو۔ ذرا ایک دو جھپکے مارلوں بابو جی ابھی آیا ابھی دو منٹ میں
اتنے میں اُن کے ایک پڑوسی دوست خلیفہ شمّو اُن کے مکان
پر آتے ہیں اُن کے ہاتھ میں تیتروں کا ایک پنجرہ ہے جس پر لوزاتی لنگڈوں
کا ایک خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے۔ بابو ننھے خاں سے دروازے پر
مڈ بھیڑ ہوتی ہے۔

خلیفہ شمّو۔ سلاما لیکم جناب، بابو جی مجاز تو اچھے ہیں آپ کے اور کہیئے بال
بچے آرام سے ہیں نا آپ کے۔

بابو جی۔ خدا کا شکر ہے خیریت ہے۔

خلیفہ شمّو۔ کہیئے کیسے تکلیف فرمائی اس وخت آپ نے۔

بابو جی۔ کیا بتاؤں خلیفہ جی اسوقت تو......

خلیفہ شمّو۔ کہیئے کہیئے خیریت تو ہے کیا کسی لمڈے نے آپ پر ہاتھ چھوڑ دیا

مجھے بتاؤ میں وِس ہرامی کا ابھی تمداکس دونگا۔

بابوجی۔ نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے۔

خلیفہ شمو۔ اچھا فِر اور کیا ؟

بابوجی۔ بات یہ ہے کہ کل خلیفہ بندو نے یہ کہا تھا کہ صبح آنا شاہ جی کے تالاب چلیں گے وہاں تیتر لڑیں گے لیکن

خلیفہ شمو۔ لیکن کیا شادی کے تلاؤ پر تو ہر جمّتے لڑتے ہیں بڑے بڑے جنگی جوڑے پہونچتے ہیں، میں بھی تو دیں جا ریہ ہوں، دیکھنا میرا یہ جنا ور کیسا لڑتا ہے تو فر چلوتا، بے فضول میں کیوں دیری کریں۔

بابوجی۔ چلتے ہیں خلیفہ بندو تو آجائیں۔

خلیفہ شمو۔ اچھا میں اب سمجھا آپ وِن کی انتظاری میں کھڑے ہیں، میں ابی بلاتا ہوں کیا نام نے کہ خلیفہ بندو ہَیں دیّ، کیا کر رہے ہو اندر، باہر آؤ تا زلدی سے میں تو سمجھا کہ تم تلاؤ پر ہو گے

خلیفہ بندو۔ آریہ ہوں بھائی آریہ ہوں، ماف کرنا بابوجی آپ کو بے ناق اِتّی دیر کھڑا رہنا پڑا، کیا کروں صبُو ہی صبُو لگائی بچے جھاڑ کر لپٹ گئی عبد توڑی گالیاں نہ کھاتے سیدہی نئی ہوتی۔

خلیفہ شمو۔ پیار سے سر پر چڑھا نیکا یہی نتیجہ ہے ہماری جوزہ کی مجال نہیں جو ہوں کرے۔

بابوجی۔ اچھا بھئی خلیفہ اب چلو کہیں پالی کا وقت ختم ہو جائے۔

خلیفہ شمو۔ بہت ٹھیک صلاہے۔ بابوجی مگر یہ تو بتاؤ کہ تلاؤ پہ چلوگے کس طریاں۔

خلیفہ بندو۔ وئی خلیفہ سنو میں بتاؤں سرنیچے اور ٹانگیں اوپر کر لو ایک لمحے میں پہنچ جاؤ گے۔

خلیفہ شمو۔ یار تم تو مذاق کرتے ہو۔

خلیفہ بندو۔ بڑی مشکلوں کی بات ہے تم میرا یقین نئی کرتے اچھا آؤ بازار تو ڑی تو چلو

تینوں جامع مسجد پر پہنچتے ہیں تانگے والے ادھر ادھر پھر رہے ہیں دیچ چیخ چیخ کر سواریاں تانگہ میں بٹھا رہے ہیں۔

"آؤ ایک سواری گھنٹہ گھر فتح پوری قطب روڈ کو"

"آؤ بابو جی منڈی کو فروٹ لیجاؤ نگا ٹرم سے پہلے"

"بابو جی میں چلوں کہاں جائیں گے آپ، آیئے بیٹھئے ابھی چلتا ہوں"

بابو جی۔ اچھا بھئی خلیفہ اب تم ایک تانگہ کر لو۔

خلیفہ شمو۔ پہلے اپنا بھی یہ ہی خیالات تو تھا۔

خلیفہ بندو۔ نئی پیارے پاپیادہ اپنی ٹانگوں سے پیدل چلو تانگے کا لُطف تو ہمارے تو ندل یار کے تانگہ میں آتا ہے۔ فرسٹ کلاس تانگہ ہے ربڑ ٹیر کا ہوا کی طریوں فروٹ دوڑتا ہے۔

خلیفہ شمو۔ ابے خلیفہ دیکھ تو سئی وہ سامنے کون کھڑا ولہے تو ندل، تیرا یار تانگہ لئے ہوتے۔

خلیفہ بندو۔ یارکاں ہے مجھے تو ٹپا بھی نئی۔

خلیفہ شمو۔ ابے مجھکو معلوم ہے تجھے دِن میں ذرا کم دکھائی دیتا ہے، اچھا دیکھ دیکھ میری آنکھ سے دیکھ وہ جامع مسجد کی سیڑھیوں کے نیچے کوابی کی

برج کے پاس۔

خلیفہ بندو۔ دئی خوب بھانپا خلیفہ تیری آنکھ تو ایئن مین چیل کی سی ہے کووئ تو ندل پیارے

توندل۔ آؤ خلیفہ تم تو عید کا چاند ہو گئے۔

خلیفہ بندو۔ چاندوا ند تو پچھلی رات کو دکھیو پیارے، لپک کر تلاؤ توڑی تو پچھل بڑی زلدی ہیں ہوں اسوخت۔

توندل۔ خوب بولتے ہو۔ خلیفہ جیسے تمہارے گھر کی گھوڑی ہو

خلیفہ بندو۔ دیکھو دئی چلتس بازی تو کرنی ہے اڑان جھلے کی اکھیڑ میں بیٹھ جاوں گا۔ فر تو آگاڑی پچھاڑی کو ٹٹولتا ہی رہیگا۔

توندل۔ دئی میری گھوڑی کالی چیز سے چکو ہے۔ یار ہمرا ٹینو نئی تو ہے بالکل شیاہ نام

خلیفہ بندو۔ اچھا توندل تم دس دنا کی بات کو بھول گئے کوئی ہرجہ نئی کدی یار خاں کے قضے ہیں بھی تو آؤگے نا۔

توندل۔ واہ دئی خلیفہ تم تو خفا ہو گئے اچھا آؤ بیٹھو۔

خلیفہ شمو۔ دئی یہ گھوڑا تو بہت چوکس معلوم ہوتا ہے۔

توندل۔ چلو بیٹا۔۔۔۔ ٹِک ٹِک ٹِک۔۔۔۔ ہتّی ٹِک ٹِک۔۔۔۔۔۔ ہتّی ہتّی ۔۔۔۔۔ ابے چل نا۔

بابو جی۔ کیوں بھئی یہ کیا۔

توندل۔ اجی چلیتوں کو تو کر خندارنے ٹوک دیا اب یہ چلے کہاں سے۔

خلیفہ شمو۔ کیوں دئی یہ کیا مخرپنہ ہے بیچ سڑک میں۔

بابو جی۔ خلیفہ بندو اگر یہ نہ چلا تو ہم پالی دیکھ چکے۔

خلیفہ بندو۔ نئی بابوجی میں چلاتا ہوں اقین کرنا جاں میں نے گھوڑے
کو ایک چابک لگایا، بس ویسی ملٹ مل پڑے گا۔ نئی تو میرا نام
خلیفہ نئی للو تندل پیارے دیکھیو ذرا چابک،
چابک لگاتے ہی گھوڑا چل پڑتا ہے۔
بابوجی واہ بھئی واہ کیا کہنے ہیں خلیفہ کے۔
خلیفہ شمو۔ ارے خلیفہ واقعی میں تو تو بڑا کاریگر نکلا۔
خلیفہ بندو۔ بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ میرا ادھوڑی کا تیرے سر پہ نئی پڑا نئی
تو تو بھی پورا ٹھیک ہو جاتا۔
توندل۔ ایک طرف کو ایک طرف کو ہٹو ہٹو، بچو بچو، ہٹنا بھائی سائیکل
والے جنٹل مین۔ او بے ٹم ٹم والے بائیں کو، ہٹ جا بے
ٹھیلے والے بیچ میں سے، اوپر ہو جاؤ بابوجی پٹری پر،
لیجئے وہ شاہ جی کے تالاب پر آ گئے، تالاب کی سوتیں تو بند ہو چکی
ہیں، کچھ بارش کا پانی جمع ہے، چاروں طرف اس کی سیڑھیاں دکھائی
دے رہی ہیں، تالاب کے پاس درختوں کے کچھ جھنڈ ہیں۔ سورج کی کرنیں
پتوں سے چھن چھن کر زمین پر پڑ رہی ہیں۔ یہاں پر ایک کنواں بھی ہے،
دو تین آدمی پانی بھر رہے ہیں اور بہت سے پینے کے لئے نیچے کھڑے
ہیں ایک آدمی ان کو پلا رہا ہے دوسرا کنوئیں کی منڈیر پر جو مٹکے رکھے
ہیں ان کو بھر رہا ہے۔ دو تین پہلوان ڈنڑ اور بیٹھک لگانے میں مصروف
ہیں۔ ایک طرف درخت کے نیچے ایک بوڑھے لمبی ڈاڑھی والے شاہ جی
آسن جمائے چھوٹی سی چلم بھاے چرس کا دم لگانے میں مصروف ہیں،
شاہ صاحب کے سامنے کچھ اوباش اور بےفکرے بیٹھے ہیں۔ جن میں کچھ

بوڑھے ہیں اور کچھ جوان، باری باری وہ بھی دم لگاتے ہیں۔ کنوئیں سے کچھ دُور انہی درختوں کے جھنڈ میں تیتر باز جمع ہیں باری باری اپنے تیتر لڑا رہے ہیں، چاروں طرف خلقت کا ہجوم ہے واہ واہ واہ وہ مارا، وہ مارا جیت کر دیا، بھاگ گیا۔ بھاگ گیا، کا شور غل ہو رہا ہے! اتنے میں بابو ننھے خاں۔ خلیفہ بندو اور خلیفہ شمّو اپنا پنجرہ لئے ہوئے مجمع میں داخل ہوئے۔ لوگ اُن دیکھتے ہی چیخ اٹھے۔

"خلیفہ شمّو کا تیتر لڑیگا وہی خلیفہ شمّو کا"

خلیفہ شمّو۔ کیوں نیّ لو مرتبہ لڑا ہے اور رہر واری مار کر نِلو نکل آیا ہے کسی کا جیوٹ ہو تو چھوڑو نا میدان میں۔

شدو پہلوان۔ کیا کہتے ہو خلیفہ، ذرا میرے تیتر سے تو لڑاؤ معلوم ہو جائیگا کس کا جیوٹ ہے اور کس کا بھگتا ہے یہ لو میں اپنا تیتر چھوڑتا ہوں

خلیفہ شمّو۔ دیکھو وہی تو لڑا تو رہا ہے اگر تیرا بھاگ گیا تو پانچ روپے اور تیتر لے لونگا۔

شدو پہلوان۔ اور اگر تیرا ہارا تو میں لے لوں گا۔ پیارے۔

خلیفہ شمّو۔ ہاں ہاں ہو گئی ہو گئی بس ہو گئی، چل بیٹا پٹیلو! جُٹ جا اس سے۔

خلیفہ بندو۔ لو مئی بابو جی اب لڑائی کا مزہ آئیگا آگو آکے دیکھو نا۔

بابو جی۔ بے فکر رہو، میں خوب دیکھ رہا ہوں، خلیفہ ذرا اِن کا اکڑ اکڑ کر پھرنا تو دیکھو، لو وہ دونوں آگے بڑھے، تیور بگڑنے لگے، اُس کے پَر پھول گئے، اُس کی گردن بلند ہو گئی، خلیفہ شمّو والا بول رہا ہے، ارے وہ دوسرا تو اس سے بھی زور سے چیّا لو بھئی وہ جُٹ گئے

گتھم گتھا ہونے لگی چونچیں اور پنجے چل رہے ہیں۔

خلیفہ بندو۔ بابو جی تم نے دیکھا ہی کیا دونوں کی آنکھوں کو دیکھو، کیسی لڑی وی ہیں ایک ایک چال پہ نظر ہے ایک ایک چال پہ، بیج جانو اس وخت دونوں کی جانوں پر بنی دی ہے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہو رہا ہے۔

بابو جی۔ یہ خلیفہ شمو اور شدو تیتروں کے ساتھ کیوں پھدکتے پھر رہے ہیں

خلیفہ بندو۔ بابو جی تم سمجھے نئی جدر کو جس کا تیتر جاتا ہے وہ ادر کو جاتا ہے۔ تاکہ جناور کا دل بڑھا دا رہے خلیفہ کو دیکھو نا کتا جوش دلا رہے ہیں۔

خلیفہ شمو۔ ادی ادی ادی۔

بابو جی۔ دیکھنا دیکھنا خلیفہ وہ دونوں اچھل کر ہوا میں بلند ہوتے ارے وہ تو ہوا ہی میں گتھ گئے ایک کے پنجے دوسرے کی رانوں اور پھٹوں میں دھنسے ہوتے ہیں دوسرے کی چونچ اُسکی آنکھ میں گڑی ہوئی ہے، پر بیچ بیچ کر نیچے گر رہے ہیں۔ زخموں سے خون ٹپک رہا ہو

"لو دی شدو والا بھاگ گیا ٹانگ ٹوٹ گئی ہے سالے کی"

"ارے وس نے کیا نلو چھوڑا ہے دیکھ تو سہی شمو والکی دینی آنکھ پھوڑ کر بھاگا ہے"

"دوی کا نرا کر دیا ہے بازار بند ہو گیا ہے ایک طرف کا"

خلیفہ بندو۔ آؤ دی بابو جی خلیفہ شمو کو مبارکی دیں، میں نے کیا دی خلیفہ مبارک ہو جیت گئے نا۔

خلیفہ شمو۔ ہاں وی جیت تو گئے مگر ہمارے تیتر کی آنکھ جاتی رئی گیا

کیا جانے اس کا بڑا افسوس ہو رہا ہے۔

خلیفہ بندو۔ دی تو نے بھلی فرزی، یہ تیرا تیتر تو دجال کا پوتا ہے، دادا بھی کانٹرا پوتا بھی کانٹرا

بابوجی۔ آؤ خلیفہ اب چلیں، گیارہ بج رہے ہیں۔

خلیفہ بندو۔ اپنا تو کچھ اور ہی خیال ہو رہا بابو جی

خلیفہ شمو۔ وہ کیا دی۔

خلیفہ بندو۔ توندل یار کا تانگہ تو ہے ای وس میں بیٹھ کے ذرا نظام الدین توڑی چلیں۔

بابوجی۔ تو آج معلوم ہوتا ہے روٹی کی بجائے خالی ہوا ہی کھاؤ گے۔

خلیفہ بندو۔ ہوا کیوں کھائیں گے آخر ہمارے یار نے پانچ روپے جیتے ہیں یا نئیں، وس میں اپنا بھی تو حق ہے کیوں دی خلیفہ تیرا دم کیوں فق ہے، بولتا کیوں نئیں ہمایوں باشاہ کے حجرے میں مٹھائی اڑیگی تا، ایسے میں یہیں کہدے کدھی بابوجی کے سامنے واں میری ہیٹی کرائے۔

خلیفہ شمو۔ دی تیرے سے میں کیا باہر ہوں مگر یار مجھے تو اپنے پٹھو کی آنکھ کا فکر ہو رہا ہے۔

خلیفہ بندو دی پیارے تو دل پہ ملال نہ لا وہ کوئی ڈھیلا باہر تھوڑی نکلا ہے ذرا چونچ، لگی تھی وہ پچک گئی واں چلکر تو دل کے اندر سے بالکل درمیان سے دعا مانگیو اللہ نے چاہا تو تیسرے دن نمودار ہے کٹوراسی آنکھ رکھی ہے۔

بابوجی۔ اچھا تو مجھکو تو جانے ہی دو کیونکہ آج جامع مسجد میں جمعہ کی نماز

بھی پڑھنی ہے

خلیفہ شمّو۔ نئیں بابوجی یہ ٹوکری نئیں ہوگا واں بھی تو نماز ہوسکتی ہے۔

خلیفہ بندو۔ ہاں بابوجی ٹھیک تو ہے آپ ذرا عقل و ندی سے کام لیں
خدا تو سب جنگہ ہے اِس جنگہ بھی اُس جنگہ بھی کچھ بھی ہو اب تو چلنا
ہی پڑے گا۔

بابوجی۔ اچھا اچھا بھئی جیسی تمہاری مرضی۔

تینوں دوبارہ توندل کے تانگے میں سوار ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر
میں نظام الدین جا پہنچے ہیں تانگہ مقبرے کے پاس چھوڑ کر پہلے درگاہ کی
طرف جاتے ہیں دروازے میں داخل ہوتے ہیں باؤلی دکھائی دیتی ہے۔

خلیفہ بندو۔ دیکھا بابوجی تم نے واں شیر میں کتے زوروں کی لُوں چل
رئی تھی اور یاں چان چک ٹھنڈی ہوا کا کیسا جھونکا آیا،
میری تو جان میں تو جان آگئی۔

بابوجی۔ دل چاہے تو باؤلی میں نہا آو خلیفہ شمّو بھی ٹھنڈے ہو جائیں گے

خلیفہ بندو۔ وئی خوب یاد دلایا بابوجی تم نے، گرمی بھی چھٹ جائیگی
اور سارے گناہ بھی دھل جائیں گے۔ چلو وتی خلیفہ شمّو نہا دُ سن لیٹ
سوپ کے صابن کی ٹکیہ تو تمہارے پاس ہے ہی خوب مل مل کے
نہائیں گے۔

خلیفہ شمّو۔ نئیں پیارے میں نے سنا ہے یہ بھینٹ لیتی ہے اگر اس نے
مجھے بھینٹ لے لیا۔ تو میری جوزہ بیوہ ہو جائے گی اس کے
علاوہ ازیں میرے پیٹیلو کو فرکون پالیگا۔

خلیفہ بندو۔ ابے جا یار تو نے بھلا فخر کیا جد تو ڈی میں زندہ ہوں تجھے مرنے

تھوڑی دونگا اور سن اگر تو نہا کے فاتیاں پڑھیگا تو بس ایک ہی
دفے کی فاتیاں میں بیٹیلو کی آنکھ اچھی ہو جائے گی۔
بابوجی۔ اچھا بھئی تم لوگ نہاؤ۔ میں اتنے میں فاتحہ پڑھ آؤں۔
خلیفہ بندو۔ بہت ٹھیک صلاہ ہے مگر ایک کارِ خیر اور کرتے آؤ تو بڑی
مہروانی ہو گی آپ کی عمر بھر یاد رکھوں گا آپ کو
بابوجی۔ بولو۔ بولو کیا بات ہے خلیفہ۔
خلیفہ بندو۔ دی شمو خلیفہ تم اِن کو دو روپے دیدو، بابوجی جب آپ فاتیاں
پڑھ لیں تو بستی میں جاکر کلوّ حلوائی کی دوکان سے، وہ بس
مجد کے نکڑ ہی پر ہے نا دو روپے کی مٹھیائی خرید کر ناک کی سیدھ
میں مجرے چلے جانا ہم سب فراغت پاکر وہیں آجائیں گے کیوں
کیسی رہی۔
بابوجی۔ کیا کہنے ہیں خلیفہ کے، بہت دُور کی کوڑی لائے ہو۔
بابو ننھے خاں پہلے درگاہ میں اور بعد میں مٹھائی لیکر مقبرے پہنچتے
ہیں۔ اُن کے پیچھے خلیفہ بندو اور خلیفہ شمو نہا دھو کر حضرت نظام الدین
اولیا کے مزار پر جاتے ہیں خلیفہ شمو فاتحہ پڑھکر دعا مانگ رہے ہیں۔
خلیفہ شمو۔ اے نظام الدین اولیا جد تو ڑی میری جان میں جان ہے تمام عمر
بلکن ساری زندگی بھر تمہارا یہ احسان نئی بھولونگا آج صبو
میرے بیٹیلو کی ایک آنکھ جاتی رہی ہے وہ جلدی اچھا ہو جائے تو
فر میں پا پیادہ پیدل چل کر نوچندی جمعرات کو پھولوں کی چدر اور
مٹھیائی چڑھاؤں گا۔
فاتحہ سے فراغت پاکر خلیفہ بندو اور شمو مقبرے پہنچتے ہیں، بابو ننھے خاں

گھاس پر ایک درخت کے نیچے دو چار آدمیوں کے پاس بیٹھے ہیں ۔ خلیفہ بندو کو آتا ہوا دیکھکر آواز دیتے ہیں۔

بابوجی۔ آؤ خلیفہ بندو آؤ تمہارے یہ دوست بھی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔

خلیفہ بندو۔ کووی ممتیاز یار تم یاں کاں ۔ ارے اِشاق اور فجو بھی ہیں وی

خلیفہ شمو۔ یہ بات اَقل میں نیں آئی کہ تم سب جاپن چک یاں کیسے چلے گئے

ممتیاز۔ بس یوئی آج جمّے کے مارے دھیا نگی تو پھیلائی نئی بہت دِنا سے دِل چار یا تھا۔ کہ قطب صاحب کی لاٹ پر چڑھیں اتفاق کی بات شابو پلوان اپنا تانگہ لیکر آ گئے ہم نے وِن سے کیا کہ دی آج تو قطب چلو وہ تمہاری مہروانی سے مان گئے ۔ کینے لگے کہ دی چلو سیر اکیا ہر جہ ہے یاروں کو نہ بٹھائیں گے تو اور کس کو، بس ہم وئیں جار ہے تھے یاں سے گذرتے وے تو ندل یار کا تانگہ جو دیکھا اور جاں چک بابوجی نظر پڑے وہ مٹھیائی لارہے تھے

خلیفہ بندو۔ اب کئیں تم سب ہضم تو نئی کر گئے ۔ پیارے ہاں کدی ہم کو فاقہ کرنا پڑے قسم پونے سولہ آنے کی مٹبو سے اوی تک ایک دانہ بھی کھایا ہو تو ہرام ہے ۔

اِشاق۔ بات دراصل میں یہ ہے کہ تم ہو تخدیر والے وہ تو بابوجی کا لحاظ تھا ورنہ یاں آکے خالی ہتے جاتے پیارے ، شابو اور رجو نے تو کیا تھا کہ بے کھا جا دیکھی جائے گی۔

خلیفہ بندو۔ مگر شابو پلوان ہیں کاں ؟

اشاق۔ ابے ایل بے تو نے اوی نک وِن کو نئی دیکھا وہ دیکھ
اوپر بُرجی پہ ستر وند سکھا رہے ہیں۔
خلیفہ بندو۔ کیا کہنے ہیں وئی شابو پہلوان کے ہیں نے کیا نیچو آؤنا۔
شابو پہلوان۔ آ رہیہ ہوں پیارے آ رہیہ ہوں ایک منٹ میں۔
شابو پہلوان کے نیچے آتے ہی سب مٹھائی کا مطالبہ کرتے ہیں۔
شابو ٹوکری سنبھال کر دوستوں میں مٹھائی بانٹنا شروع کرتے ہیں۔
شابو پہلوان۔ یہ لیجئے بابو جی آپ کا حصہ۔
فجو۔ لاؤ پلوان مجھے بھی یہ تبرک دو نئی تو تم جانتے ہو فریں ہاں
اشاق۔ ابے تو کیا کرے گا کھاکے جا بہشتی کو تو آواز دے پہلے۔
فجو۔ وئی یہ جہان کسی اور کو دیکھیو پیارے، یاں سے یار خاں مرغیم
پہ ٹلیم نہیں اور جو تجھے سچ مچ پانی کی ضرورت ہے تو یہ تیرا پرانا
یار توندل بیٹھا ہے۔ پھوڑ اس پرانے مٹکے کو مار اس کی توند میں جکو ابھی
پانی بھلل بھلل نکلا۔
ممتیاز۔ وئی رہسانگی میں تو سب کچھ ہو جائیگا۔
خلیفہ بندو۔ دیکھو دیکھو پلوان دِس نے مارا جھپٹا۔
شابو پہلوان۔ یار بڑا ہی نالائق ہے تو، دیکھ نا ساری ٹوکری گرادی۔
نئی معلوم یار یہ فجو کون سے کنگلوں کی صوبت میں رہتا ہے
اپنی پالٹی میں تو ایک بھی ایسا نحش نئی، نفرت ہے پیارے
اس سے۔
توندل چھوڑ یار اس کل کل کو یونہیں بیٹھ کے کھاؤ۔
مٹھائی کھا پی کر سب ایک جگہ بیٹھتے ہیں تاش کھیلنے کی سوجھتی ہے

ممتاز، اشاق، ممو اور شابو چاروں ملکر تاش کھیلتے ہیں، خلیفہ شمّو پنجرے سے تیتر نکال کر اُسے گھاس میں کھلاتے ہیں، تو ندل اپنے گھوڑے کو دانہ پانی دے رہے ہیں، بابو نھّے خاں اور خلیفہ بندو اوپر جاکر سیر کا لطف اٹھا رہے ہیں، لیجئے وہ اُتر آئے تو ندل اُن سے چلنے کو کہتا ہے۔

تو ندل۔ لو دیّ خلیفہ اب اٹھا چلنا چاہیے کیونکہ بہت دیر ہوگئی ہے۔

خلیفہ بندو۔ الٹا چلنا ہے تو مجھ سے کیا کہے رہا ہے کر لے سر نیچو اور ٹانگیں اوپر، فر دیکھیں تو کیسے چلتا ہے۔

تو ندل۔ دیّ قسم ہے تو بڑا ہی چھنیا ہے میرا دراصل میں یہ مطلب ہے یعنی کر ہیں یہ کہے رہا ہوں کہ اب گھر چلو شام کو جنادر کے کھلانے کے لئے دھیلی پا دلا بھی تو کمانا ہے۔

خلیفہ بندو۔ تو یوں کہہ کے نا سیدھی طریوں لیکن اس دوپہری میں تجھے سواری ملے گی رکاں؟

تو ندل۔ دیّ خلیفہ قسم ہے تم کو خلیفہ کس نے بنا دیا اتی بات بھی نئی سمجھتے کہ آج جمعا ہے۔ چھتر والے پر نیا فلم چڑھا ہے اور تین بجے کے وقت مُوسٹی کا شو ہے۔ ہاف ٹیم پے زندہ ناچ گانا بھی ہوگا۔ اِتے کر خندار ہوں گے کہ ہر طرف سواری ہی سواری ہوگی۔

خلیفہ بندو۔ وادیّ واہ کیا بات کئی ہے تونے باون تولے پاؤ رتی کی اچھا لے اِتے میں تو اپنا تانگہ جوڑیں ابھی سب کو لا رہا ہوں۔

خلیفہ بندو سب کو کہہ سنکر مقبرے سے باہر لے آئے۔ خلیفہ بندو، خلیفہ شمّو اور بابو نھّے خاں تو ندل کے تانگہ میں اور ممتاز، اشاق اور ممو، شابو پہلوان کے تانگہ میں دلّی شہر کی طرف واپس جا رہے ہیں، تو ندل کا تانگہ

شابو پہلوان کے تانگے سے ذرا آگے چل رہا ہے۔ شابو اپنے گھوڑے کو ذرا تیز کر کے توندل کے برابر لے آتا ہے۔ یہ دیکھ کر توندل کہتا ہے۔

توندل۔ کیوں وی پلوان کیا دوڑ کو جی چا رہا ہے۔

شابو پہلوان۔ کیا ہرج ہے ایک ریس ہو جائے۔

توندل۔ ارے جا رہنے دے یار کیتیں ریس کی بجائے ٹیس ہو جائے۔

شابو پہلوان۔ بڑا گھمنڈ نافخر اپنے اڑیل ٹٹو کی۔

توندل۔ ابے تو اپنے اِس مریل اور نکھٹو کی تو خیر لے کمیٹی کا بے رحمی والا افسر دیکھ لے تو ابھی ہسپتال جاتا پھرے گا۔

شابو پہلوان۔ تو فر دوڑا کے دیکھ لے نا۔ دلی دروزے تک دھول پھانکتا آئے گا۔

توندل۔ ابے چپ بے فضول میں کیوں ڈھول پیٹ رہا ہے دھول تو پیچھو کھلا یئو پہلے اپنے گدھے کی جھول تو سنبھال۔ لے آجا میرے پیچھو پیچھو دوڑتا وا، دِلی دروزے تو ڑی پکڑ لے تو وی تیری ٹانگ تلے سے نکل جاؤں گا۔

دوڑ شروع ہو گئی۔ دونوں گھوڑے بے تحاشہ دوڑ رہے ہیں ابھی تک دونوں برابر ہیں لو وہ توندل کا گھوڑا آگے نکل گیا بابو ننھے خاں سخت حیران و پریشان ہیں۔ ڈر رہے ہیں کہ کہیں ٹکر نہ ہو جائے یا پولیس والا ان کو نہ پکڑ لے، لیجئے وہ توندل کا گھوڑا آن کی آن میں دلی دروازے پہنچ گیا خلیفہ بندو اور شمو توندل کے ساتھ بُری طرح چیخ رہے ہیں۔

"وہ مارا، وہ مارا، پیری ہے بے پیری۔

بابوجی۔ میاں توندل تمہاری گھوڑی تو واقعی میں بڑی پر ہین نکلی واللہ

کمال کر دیا اُس نے

تو ندل ۔ کچھ بھی نئی جی بس آپ کی مہروانی چاہئے ، شابو تو کیا بڑے بڑے جیداروں کو دیکھ لیا ہے میں نے ، لیجئے یہ ایڈ ویڈ والا یادگار باغ آگیا ، اب اِزاجیت دیجئے کیونکہ میں اِس وقت بستر والے پہ جا رہا ہوں ۔

خلیفہ بندو ۔ ہاں وی ٹھیک ہے اصل خیریت رئی تو انشاء اللہ فرملیں گے بابو جی کو ٹریم میں بٹھلاکے ہم بھی گھر جاتے ہیں ۔ جُروا صبو سے انتظاری میں ہو گی ۔

بابو ننھے خاں ٹریم میں بیٹھکر اپنے گھر روانہ ہوتے ہیں اور خلیفہ بندو اپنے گھر "کرخندار" کی بیوی اٹھوائی کھٹوائی لئے پڑی ہے ، مُنہ کو دوپٹہ سے چھپا رکھا ہے پیچھے کروٹ میں بچہ پڑا ہے ، روتے روتے تھک کر ابھی چپ ہوا ہے ، سِسکیاں لے رہا ہے ، خلیفہ بندو پلنگ کے پاس کھڑے ہوکر اور بیوی کو ٹھوکہ دیکر مخاطب ہوتے ہیں ۔

خلیفہ بندو ۔ کیوں دئی خیر سلا یہ ننھا تو رو رہا ہے اور تم یونہی لیٹی ہو ، ہائیں میں کیتا ہوں منہ سے تو کنو کیا ہوا ۔

گھر والی ۔ کیا کتوں میں نے تو سمجھ لیا کہ تم مرگئے اور یہ یتیم ہو گیا ۔

خلیفہ بندو ۔ فر وہی کوسا پیٹی صبو ہی کو کِل کِل ہو چکی ہے ۔

گھر والی ۔ خدا کرے بہر وخت ہو ، رات دن جیسے میں کھولتی ہوں الہٰی اِس سے زادہ تم جلو ۔

خلیفہ بندو ۔ وئی عجب قماش کی عورت ہے تو کدی سیدھی طریوں بات ہی نئی کرتی ۔

گھروالی۔ مجھے غرض کیا صبو جو گیا تھا کہ بھول کر بھی نہ بولیو وہی بات پہ
قایم رہو۔ مجھ سے بولنے کی اب کوئی ضرورت نئی۔
خلیفہ بندو۔ تو پھر اِس لمڈے کو کون بھلا ئیگا
گھروالی۔ میں کیا جانوں۔
خلیفہ بندو۔ پھر کون جانے گا؟
گھروالی۔ اچھا آپ تو دن بھر یوں غائب رہیں اور رات کو دو دو
بجے آئیں اور میں ہر وخت اِن کے ننھے کو بہلاتی رہوں جیسے
میں تمارے گھر کی لونڈی ہوں، بہلائے میری جوتی یہ مرے یا جیے
خلیفہ بندو۔ دیکھ ری تو زبان سنبھال کے بول، صبو کا گیا گیا تو میں اس وخت
آیا ہوں تو کھانا دینے سے تو رئی اُلٹی جو تم بیزار پر آمادہ ہے ہم نے
کہدیا نیک بخت تو اپنا روٹی کپڑا لیتے جا۔ تجھے کیا ہم چاہے جب
آئیں اور چاہے جو کچھ کریں تو ہوتی کون ہے ہماری مزام۔
گھروالی۔ مرے! روٹی کپڑا دیتے، کل سے گھر میں تیل ہے نہ ایندھن وہی
مثل ہے کہ باہر میاں ہعنت ہزاری گھر میں جو رُو فاقوں ماری۔
خلیفہ بندو۔ کیوں کدی تجھے کچھ کھلایا نئ پلایا نئ کیا نئ دیا تجھکو
گھروالی۔ بڑے رئیس بڑے جیدا د والے
خلیفہ بندو۔ تو تو اپنے ساتھ بڑا دان دہیز لائی ہے نا۔
گھروالی۔ کیوں لائی کیوں نئ تھوڑا لائی یا بہت لائی تو اپنا تماری طرح یوں
تھوڑی دھوکے سے اپنی بہنا کا زیور چڑھا دیا اور پھر واپس لے لیا
تھوک کر چاٹ لیا۔
خلیفہ بندو۔ اس میں کیا ہرج ہے آجکل تو بڑے بڑے رہیسوں کے ہاں تو یہ

ہو رہا ہے۔ جب ہمارے پاس ہو گا تو بہتیرا بنا دیں گے۔

گھر والی۔ ٹھوکر مارتی ہوں ایسی نغذری اور گجے کو، جان رات دن شولی ہو، میں تو کہتی ہوں جانے دو جانے دو اور وہ کہتے ہیں کہ تو میرے آ ترے بیتر ے کھول، ابھی اور فن فریب جتاؤں گی تو میاں ناچتے پھریں گے۔

خلیفہ بندو۔ بھلا ری تو یوں چپ نہ رہے گی جد تو ڑی تو جوتیاں اور گالیاں نہ کھائے۔ اب کے بولی تو منہ توڑ دوں گا۔

گھر والی۔ تمہاری بھی جنتی پہ طلاخ ہے جو تم کسر کرد، تم نے کیا مجھے بے ماں باپ کا سمجھا ہے، مار کے تو دیکھو کیسا مزہ چکھواتی ہوں

خلیفہ بندو۔ بھلا ری ٹھیر میں تجھے بتاتا ہوں۔" ہوں" لے بلا اب اپنے حمایتوں کو۔ دیکھوں تو کون تیری چیٹیا چھڑاتا ہے۔

گھر والی۔ ارے تیرا جنازہ نکلے، مار ڈال ظالم۔ مجھے مار ڈال، اوئی ادئی، ہائے ہائے، میں مری، ارے میں مری، ہمسائی مجھے آکر بچاؤ۔ اس موذی کے ہاتھوں سے میری چیٹیا چھڑا۔ ارے خدا کے لئے کوئی بچاؤ۔ میں مری، میں مری۔

دِلّی کے دھوبی

بھشتی، نائی، اور بھنگی کی طرح غریب دھوبی کا شمار بھی بظاہر ہمارے کرکمینوں ہی میں ہوتا ہے، سوسائٹی کی نظر میں اُنکی وقعت ایک فقیر مزدور اور جاہل انسان سے زائد نہیں ہوتی۔ اُنکی عورتوں کو اُن کے مردوں سے زیادہ بیوقوف، پھوہڑ اور زبان دراز سمجھا جاتا ہے لیکن اب ذرا سماج میں اِن کرکمینوں کے اثر و اقتدار کا اندازہ لگائیے کہ غریب کی چوکھٹ سے لیکر امیر کی ڈیوڑھی تک اور امیر کی ڈیوڑھی سے لیکر نواب و راجہ بلکہ وزیر اور بادشاہ کی حویلیوں اور محلوں تک میں اس کی آمد و رفت بغیر روک ٹوک اور بلا تکلف ہوتی ہے۔ آپ کا قیام خشکی میں ہو یا سمندر میں اور آئندہ چل کر شاید فضا میں بھی، یہ ہر وقت آپکے دم کے ساتھ ہیں، کیا مجال کہ آپ اِن سے کبھی مستغنی ہوسکیں۔ انتہا تو یہ ہے کہ وہ آپ کی اجازت کے بغیر آپ کا ہر سوتی و ریشمی، بڑھیا اور گھٹیا کپڑا جب جی چاہے پہن سکتا ہے اور دل میں بے ایمانی آئے تو ایک دو دفعہ غائب بھی کر سکتا ہے۔ آپ کو پاک و صاف رکھنا، تہواروں، قومی میلوں اور شادی و غمی کی تقاریب میں آپ کی شرکت محض اُس کی عنایت و مہربانی پر موقوف ہے۔

اِس مضمون میں دِلّی کے دھوبیوں کی گھریلو زندگی، گھاٹ کا نقشہ، اُن کے آداب و رسوم، خیال اور کھنڈ بازی کی محفلوں کی کیفیت اور مختلف گیتوں کو اُنہی کی زبانی پیش کیا ہے۔ جاہل اور اَن پڑھ ہوتے ہوئے بھی شاعری کرنا اور اپنے اشعار میں اپنے روزمرہ کے واقعات کے علاوہ اپنی زندگی کے احساسات و جذبات کی مصوری کرنا اگر کمال شاعری نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ وہ شاعری ہے جو کبھی مُردہ نہیں ہوسکتی اور جس کی ہوا ہمارے نئے اور نوجوان شاعروں کو چھو کر بھی نہیں لگی ۱۲

دِلّی کے چاوڑی بازار میں کوچہ میر عاشق کے سامنے شاہ جی کا چھتہ ہے اِس کے اندر ایک چھوٹی سی بستی دھوبیوں کی بھی ہے، یہ لوگ ایک بڑے کٹڑے میں آباد ہیں۔ کٹڑے کے دروازے پر ایک بڑا پھاٹک ہے جو ہر وقت کی آمد و رفت کے باعث دن رات کھُلا رہتا ہے، اندر داخل ہوتے ہی سامنے کے رُخ دوکانیں سی نظر آتی ہیں، دائیں بائیں بھی اسی قسم کی دوکانیں ہیں یہی اِن غریب دھوبیوں کے گھر ہیں! اِن دوکانوں کے آگے تینوں طرف ایک بڑا چبوترہ ہے، چبوترے کے نیچے ایک نالی ہے، بعض مکانوں کے آگے پھوس کے چھپر ہیں اور بعض نے ٹاٹ کے پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہیں۔ صحن تمام کچا ہے۔ جس میں جا بجا کھونٹے گڑے ہیں۔ بہت سے کھونٹوں میں بیل بندھے ہوئے ہیں چبوترے پر نالی کے قریب کئی ہی

کی ناندیں اور ہودے رکھے ہیں، کسی میں پانی بھرا ہے اور کسی میں میلے کپڑوں کی گیلی بنڈلیں پڑی ہیں کہیں کہیں بانسوں کے سہارے تار اور رسیاں بندھی ہیں۔ اِن الگنیوں پر ضرورت کے وقت دُھلے ہوئے کپڑے لٹکا کر سکھاتے ہیں۔ اکثر گھروں میں ایک ایک بھٹی اور بھٹی کے پاس چولہا ہے، ایک دو چارپائیاں گھر کے اندر پڑی ہیں جن پر دُھلے ہوئے کپڑوں کی لادیاں بندھی رکھی ہیں دو تین باہر بچھی ہیں جو اٹھنے بیٹھنے کے لئے ہیں۔

گرمی کا موسم ہے رات کا آخری سماں ہے، ہر طرف خاموشی اور تاریکی چھائی ہوئی ہے کبھی کبھی مرغ کی اذان سنائی دیتی ہے لوگ اپنے گھروں میں بے خبر سو رہے ہیں لیکن دھوبیوں کی دُنیا میں بہت دیر ہوئی صبح ہو چکی۔ کھڑے کے بہت سے دھوبی آنکھیں ملتے، جماہیاں لیتے اور انگڑائیاں توڑتے ہوئے اٹھ بیٹھے، کوئی چارپائی پر بیٹھا ابھی اونگھ رہا ہے کوئی کھانسی سے پریشان ہو کر بے تحاشا کھانس رہا ہے۔ بیل بھی جاگ اٹھے ہیں اُن کے ہلنے جلنے سے گلے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ کلن دھوبی نے تو اپنے بیل پر کپڑوں کی لادیاں لاد بھی دیں کلن کا پڑوسی وزیرا ابھی لادیاں لادنے میں مصروف ہے

آہستہ آہستہ دھیمی لے میں کچھ گاتا بھی جاتا ہے۔

دھوبی کا البیلا چھَیل
بھور ہوتے ہی لادا بیل
دھیان لگایا پانی سے
تیلی کا بیل کیا جانے سَیل
لگا رہے بنت گھانی سے
دانہ گھاس کو نہیں بھاوے
رچاوے سانی سے
دھوبی کا البیلا چھَیل

وزیرا ۔ کیوں چاچا آج گیندا کاں ہے گھاٹ چلیگا نا رکھوالی کو

کلن ۔ وہ کھڑا نجو ترے پر بالٹی کے دھورے۔

وزیرا ۔ ارے دیکھیو چاچا عیدو کو بیل ستارہا ہے یہ کل بھی کھونٹا توڑ کر بھاگا تھا۔

کلن ۔ بھیا تو تو جلدی جلدی لاد کدی یہیں دن نکل آئے دیکھ تو اُجالا ہو چلا۔

عیدو ۔ چاچا ہوئی لے ٹھیر یو میں بھی تیرے سنگ چلوں ہوں

کلن ۔ اَبے چلیگا بھی، تیرا بیل تو آج شاید ہی سیدھا ہو۔

وزیرا ۔ ارے بھیا نیا نیا ہے لگائی کی طریوں ذرا نخرے کرتا ہے۔

کلن ۔ اور کیا جب وہ نخرہ کرے ہے تو بیل کیوں نہ کرے گا۔

وزیرا ۔ یہ تو ٹھیک ہے چاچا پر عیدو اگر ذرا سختی سے پیش آئے تو ابھی دو دن میں ٹھیک ہو جاتا ہے۔

عیدو۔ چاچا تم اقین کر کے مانو اِس بیل سے تو میں تنگ آگیا حرّبے جرّبے لات چلاتا ہے۔ کبھی سینگ مارتا ہے۔ اے دیکھو اب اُس نے بالٹی پہ لات ماری..... لینا لینا چاچا اس بیل کو پاجی نے ساری لادیاں گرادیں۔

وزیرا۔ ابے ہو ابے تجھ سے بیل بھی نہ پکڑا جاتے پھر تو دھوبی کا کاہے کو بن بیٹھا۔

عیدو۔ نا بھیّا نا میں کہوں اور کسی سوتے کے چوٹ پھینٹ لگ جاتے تو بے فضول میں ہلاّ ہوگا۔ بڑا مرکھنا ہے کمبخت۔

کلن۔ ابے چل چل ادہر آ، لے تھام اپنا بیل، لدوا ئیو بھیّا وزیرا اس کی لادیاں، مصیبت کی جان تو آئی ہیں تو ھی۔

کلن وزیرا اور عیدو تینوں گھاٹ روانہ ہوتے ہیں۔ آگے پیچھے اور بھی دھوبی جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں دن نکل آتا ہے، گھر کا ہر چھوٹا بڑا جاگ اٹھا ہے اکوئی بیٹھا حقہ پی رہا ہے، وہ دیکھیے عیدو کی جورو لاڈو بیٹھی منہ دھو رہی ہے۔ کلن کی گھر والی شموٹا نگیں پسارے بیٹھی پان بنا رہی ہے، شمو کا لڑکا اُس سے روٹی مانگ رہا ہے۔

''او ماں، اری او ماں، روٹی دیدے، روٹی''

''ارے واہ رے لمڈے تجھے کھاٹ سے اٹھتے ہی بھوک لگ آئی، کیا ٹھیک ہے تیرا''

"دوے ہے نا مجھے بھوک لگی ہے نہیں تو باپو سے کہہ دونگا"

"جا جا، ہانڈی میں پڑی ہے کھا لے ری"

"نہیں مجھے تو تُو دے ری"

"چل چل یہاں سے ایک لات ماروں گی حرامی کے"

"اری تو روٹی دے ہے یا نا ری"

"دیکھ رے میں مارتی ہوں جوتی پھر تیرا باپ بھی آئیگا تو نہ چھوڑونگی"

(منہ چڑا کر) "بھلا مار تو کیسے مارتی ہے ری"

"ارے ٹھیر تو سہی حرامی تو جاتا کاں ہے بھاگ کر، تیرا سر نہ پھوڑوں تو نام نہیں"

جوتی کھینچ کر مارتی ہے جو اتفاق سے لاڈو کے منہ پر جا لگتی ہے۔

"اری او اندھی یہ تُو نے جوتی کیوں ماری"

"اندھی ہو گی تُو میں نے تیرے کب ماری"

"میرے نہیں ماری تو کیا اپنی اماں کے ماری تھی"

"تُو ماری آئی ہو گی اپنی اماں کو، میں تو لمڈے کو مار رہی تھی ری"

"اچھا! مارتے وقت مجھکو نہیں دیکھا یہ بیل کے دیدے کیسا پٹم ہو گئے رہے تھے ری"

"کیا کریں نہیں دِکھتا سوختہ، تیری طریوں میری آنکھیں چیل کی تھوڑی ہیں ری"

"کیوں ری اگر میری آنکھ پھوٹ جاتی، وہ تو یوں کہو اچٹتی دی لگی"

"پھوٹ جاتی تو کیا ہوتا ری"

"ایسا مزہ چکھاتی کہ ہمیش ہمیش یاد رکھتی"

"اری جا ستلو تجھ جیسی ہیبیوں پھرے ہیں رات دن، بتا تو کیا مزہ چکھواتی"

"مزہ! اری ایک کے بدلے تیری دو نوں پھوڑتی دونوں اور تیرا خصم بولتا تو اس کو بھی کانڑا کرتی"

"اوہو! تو ہے بھی تو جلاد کی جورو بھتنی کی شکل تو دیکھو"

"تجھ بھتنی سے تو اچھی ہوں، جورو بھتنی میاں سانڈ"

"اور تو نٹنی تیرا خصم بھانڈ، موا دھوبی کا چھیلا بنا پھرے ہے۔ چھیلا، بیل کو اٹھانا بٹھانا بھی تو نہ جانے"

"اری او رانڈ، ڈائن، قحبہ"

"چل چل چڑیل۔ ڈھڈو، حرامزدی"

"تو ہوگی تو"

"تو تو تو تو، تیری اماں، تیری ساری پیڑی، سارا خاندان"

ان دونوں کی لڑائی نے سارے کٹڑے کو سر پر اٹھا لیا ہے۔ سب چھوٹے بڑے کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں، بچوں نے الگ شور مچا رکھا ہے، منگل اور اس کی گھر والی مالتی بھی ان سے ذرا دور ایک چارپائی پر بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ مالتی، منگل سے میل ملاپ کرانے کے لئے کہہ رہی ہے۔

"یہ سب کیا ہوت ہے"

"میں پوچھو ہوں تجھے کیا ہووت ہے چپکی کیوں نہ بیٹھی رہے ہے"

"کب تک! کیا یونہی تماشا دیکھتے رہوگے۔"

"پھر کا کروں"

"اٹھ کر سمجھا آؤ نا"

"مو کو کیا گرج پڑی ہے؟"

"یوں تو کچھ اچھی بات نہ ہوئی"

"پھر تو کیا چاہیے ہے؟"

"میں جاؤں ہوں اُن کو ملائے دونگی"

"ہاں ہاں تو جا، تو ہی مرد ہے"

"اور تم!"

(منگل ہنس پڑتا ہے، مائی لاڈو اور رمتو کے قریب جا کر اُن کا بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کرتی ہے)

"اری کیا بات ہے بہنا آج ٹھنڈی بھی ہوگی یا نہ؟"

"اس سے پوچھو اس شتری نے کل کل ڈال ہے سویرے سویرے"

"اور تو نے تو کچھ کیا ہی نہیں بڑی آئی معصوم فرشتہ"

"نہیں تو کیا، جیسے تیری ہاتھ بھر کی زبان ہے ایسی میری تھوڑی ہے"

"اری تیرے بکے کیا ہوتے مجھ سے پوچھ جیسی تو ہنسی جھنتی ہے"

"اری بہنا اب چپ بھی رہو سارے عورت مرد تماشا دیکھے ہیں، مرد سچ کہت ہیں عورتوں کی عقل گدی پیچھے ہوتے ہے اچھا میں پوچھوں ہوں کس بنا لڑ رہو تم"

"اس ڈھڈو نے میرے حق ناحق جوتی ماری"

"کیوں بہنا؟"

"نہیں رہی ہیں تو اپنے بچے کو ماروں بھی اچٹ کے اِس سے جا لگی پھر یہ لفنگی آئے تو جائے کہاں"

"اری تو چپ رہتی ہے یا نہیں کدی یہ لوٹا کھینچ کے ماروں"

"مار تو سہی، ایسا بھنبھوڑوں کہ گوش اکھڑ آئے"

لاڈو شمو کی طرف لوٹا پھینکتی ہے وار خالی جاتا ہے

دونوں کھڑے ہو کر ایک دوسرے کو لپٹ جاتے ہیں

خوب گتھم گتھا ہوتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے

کے بال نوچتے ہیں، شمو لاڈو کی کلائی پہ کاٹتی ہے

لاڈو چیختی ہے)

"اوئی، اوئی، اوئی اللہ، اوئی اللہ، ارے میں مری ہائے اللہ میں مری اری چھوڑ ڈھڈو چھوڑ"

منگل اس دھینگا مشتی کے نظارے سے شاید

کچھ لطف اٹھا رہا ہے، بھٹی کے سامنے بیٹھا اس میں

ایندھن جھونکتا جاتا ہے اور دھیمی لے میں آہستہ

آہستہ کچھ گاتا بھی جاتا ہے۔ اسی حالت میں مالتی

وہاں آجاتی ہے۔

گوری نے کالی سے جھگڑا ڈالا رے

لڑتی بجا کے تالی رے

"کیوں مالتی تو سمجھا آئی، ملاپ ہو گیا"

"اور یہ تم کیا کر رہے ہو"

"کل گھاٹ پہ جانا ہے نا اس لئے آج بھٹی چڑھا رہا ہوں"

"یہ تو مجھے بھی بجز آرہا ہے"
"پھر اور کیا؟"
"شروع سے کچھ گا رہے تھے نا"
"اگر تو سنے تو گاؤں، پر تجھے بھی سنانا ہوگا"

گوری نے کالی سے جھگڑا ڈالا رے
لڑتی بجا کے تالی رے
کہتی گوری کالی سے تو چھر چھندی نار
درپن لیکے دیکھ ترے مکھڑے پہ خدا کی مار
بات کیوں کرے نرالی رے

"تم بھی بڑے وہ ہو"
"سن اور سن"

کہتی کالی گوری سے تو زبان کو کرلے بند
چار ہیں مل کے کرے فیصلہ ہے کس کا چھر چھند
لڑتی بجا کے تالی رے

"اچھا تم بھٹی جھونکو میں اتنے اتری مانجھ لاؤں آج گاہک کو کپڑے بھی دینے ہیں۔ وہ کل بھی لینے آیا تھا"
"اری نا میں تو گھاٹ جاؤں ہوں کل لادی پوری نہ دھلی اور آج تڑکے اسی بھول میں آنکھ بھی نہ کھلی۔"
"تم بھی بڑے عقل وند ہو، اچھا پھر روٹی لیتے جانا، ہاں کدی میری باٹ دیکھو، میں اب بھٹی جھونکو ہوں۔"

منگل گھاٹ پر چلا جاتا ہے، مالتی بھٹی میں ایندھن

جھونکتی ہے ادھر وزیرا کی گھر والی رمضانو
استری کرتے کپڑوں کو دھوپ دے رہی ہے
لیجئے وہ اُس نے کپڑوں کو دھوپ دیکر سو
سوا سو کپڑوں کی گٹھڑی باندھ لی ۔ گٹھری
کیا خوب بڑا گٹھڑ ہو گیا ، پتلی دُبلی سی عورت
ہے لیکن سر پہ گٹھڑ ، بغل میں پندرہ سولہ
دن کا بچہ نہایت اطمینان سے لئے دریا گنج
ڈپٹی فخر الدین کے ہاں جا رہی ہے ۔ لیجئے
وہ اُن کے مکان میں مسکراتی ہوئی داخل
ہوئی ۔ ڈیوڑھی میں ڈپٹی صاحب کا ملازم
کلو روکتا ہے ۔

"آ ؤ رمضانو اب کے تو تم بہت ہی دنوں میں آئیں میں تو تمہیں کئی دن سے یاد کر رہا تھا"

"دیکھ رے او کلو کے بچے تو مجھ سے نہ اِترایا کر"

"اچھا میرے کپڑے بھی لائیں"

"لے لیجیو مرا کیوں جاتا ہے ۔"

"تو معلوم ہوتا ہے تم میرے کپڑے نہیں لائیں"

"ہاں لے وہ دھرے ہیں ابھی سے"

"کیوں ؟"

"پچھلے مہینہ کے دام تو دے پھر لیجیو وہ بھی"

"کیوں کیا وہ مارے ہیں ؟"

"تیرے آگے ہاتھ کون جوڑتا ہے دھلوا لے کسی اور سے"

"تو میں کب جوڑتا ہوں"

"ارے تو مجھے اندر تو جانے دے، دیکھو ڈپٹی صاحب یہ کلّو نہیں مانتا ہے"

"آؤ آؤ رمضانو اندر آؤ، کیا ہوا کیا ہوا؟"

"میاں ہوا کیا، آپ کے تم کلّو کی تنخواہ میں سے میرے دام کاٹ کے دینا۔ مجھے یہ وقت کی ہراری جتائی اچھی نہیں لگتی۔"

"کیا کچھ پیسوں کا حساب ہے۔؟"

"ہاں میاں صاحب میری دھلائی کے پیسے، اپنے کپڑوں کا تو اتنا تقاضا کرتا ہے کہ اندر مکان میں آنا دوبھر ہو گیا۔ اور پیسوں کو کہو تو لڑتا ہے، تم جانو میں تو آپ ہی دکھی ہو رہی ہوں۔ آپ دیکھے نا گود میں بچہ سر پر کپڑوں کی لادی بچہ کو اتاروں گھٹڑ کھولوں جب ہی تو دو بچی یوں کھڑے کھڑے کیونکر دوں"

"ٹھیک کہتی ہے تو ٹھیک کہتی ہے، اچھا یہ تو بتا تو اتنے دن رہی کہاں اور یہ بچہ کس کا ہے۔"

"لو اور سنو پوچھتے ہیں کس کا ہے اے ہوتا کس کا، اپنا ہے"

"اچھا تو تیرے ہاں ہوا ہے جب ہی تو اتنے دن میں آئی ہے، میں سمجھا شاید کسی پڑوسن کا گود میں لے آئی ہو"

"واہ ڈپٹی صاحب واہ مجھے بھی تم نے کوئی گیدڑی یا بلوچن سمجھا ہے جو ہر کسو کا بچہ پکڑ کر لیجاتی ہیں لے ہے مجھے تو بیگم بلا رہی ہیں ان کے پاس تو جاؤں آئی بیگم صاحب آئی!"

"اور رمضانو لاؤ دکھا تو اپنا بچہ دیکھوں کیسا ہوا ہے؟"

"کیا کروگی دیکھ کے اِس کالے کلوٹے کو؟"

"چل چڑیل ذرا اپنے دل سے تو پوچھ کیسا لگتا ہے خاصا اچھا تو ہے۔ کوئی نام بھی رکھا؟"

"نام کیا ہوتا، جو جی چاہے کہہ لو۔"

"پھر بھی کچھ تو رکھا ہی ہوگا۔"

"اِس کا نام ہے 'بدھو'۔"

"چل مُردار کیا خاک اڑا نام رکھا ہے۔"

"بیگم یہ بُدھ کے دن ہوا تھا اس لئے بدھو ہوگیا جیسے میں رمضانو میں ہوئی تھی تو رمضانو ہوگئی، اچھا پھر تم بتاؤ کیا رکھوں۔"

"تو رکھے تو بتاؤں۔"

"ہاں ہاں بیگم تو کیوں نہ رکھوں گی تم تو بڑا اچھا نام بتاؤ گی۔"

"تو اس کا نام رکھ دے نورو۔"

"ہاں بیگم اب میں اسے نورو ہی کہونگی یہ بڑا اچھا نام نکالا آپ نے۔"

"اچھا اب تو باتیں تو ختم کر پہلے کپڑے دکھا اور سنبھلوا دیکھوں تو کیسے دھو کر لائی ہے۔"

"ہاں لو۔ اپنی بیگم کو نہ دکھاؤنگی تو اور کس کو، ہمارے ڈپٹی صاحب اور یہ سب بچے پہنیں گے نا، لیجیے سنبھالئے، میں تو خود ایک ایک کپڑا گن کے لیجاتی ہوں اور ایک ایک گن کے لاتی ہوں کیا مجال جو کچھ غلطی ہوجائے ہاں دیکھنا یہ کپڑے کلو کے ہیں اِنہیں الگ رکھ دو جاتے وقت اسکو دیتی جاؤنگی۔"

"رمضانو تمہارے دھوئے ہوئے کپڑے اب ہماری سمجھ میں نہیں آتے"
"کیوں بیگم کیوں کیا ہوا دیکھو تو کیسے سفید جھک ہیں اور استری کرتے ہی لائی ہوں ذرا جو استری ٹوٹی ہو مجھے تو اپنے آپ خیال رہتا ہے۔"
"دیکھ تو انہی کو سفید کہتے ہیں، یہ رنگ ان پر کہاں سے آیا اور یہ میاں کا پاجامہ موری پر سے کیوں پھٹا ہوا ہے، صاف ظاہر ہے کہ اسے بیل نے چبایا ہے"
"اے واہ واہ کیا بیل دانہ گھاس نہیں کھاتا جو آپ کے کپڑے کھائیگا"
"اچھا اور یہ اس شیروانی کے بٹن بھی غائب ہیں لو پہلے کپڑے تو پھٹتی ہی رہتی کیا اب بٹن بھی بیچنے لگی"
"سرکار جو کپڑے پھٹ رہے ہیں وہ سب پرانے ہیں دھلتے دھلتے پھٹ گئے تین چار دھوب تو چلے اور کہاں تک چلتے ہاں شیروانی کا ایک آدھ بٹن ضرور میری سوکن سے ٹوٹ گیا ہے میں اسکو ڈانٹ دونگی کہ پتھر پر زور سے نہ پٹخا کرے اور میاں کو بھی یہ چاہیئے کہ ہمیش ہمیش کڑی دار بٹن لگایا کریں تاکہ آپ مجھکو دینے سے پہلے انکو نکال لیں"
"تیری تو یہ عادت ہے بھلا تو کبھی اپنی غلطی مانیگی، اچھا تو یہ بتا کہ یہ دونوں میری نئی کی نئی قمیصیں جو تجھے پہلی مرتبہ دھلنے کو دی تھیں کیونکر پھٹ گئیں یہ چار روپے گز کا کپڑا جو اس طرح پھاڑ لائی۔ یہ کیونکر برداشت ہوگا۔ ضرور تونے ان کو پہنا ہے، لے یہ دیکھ ان کے کفوں میں ڈورا بھی بندھا ہے۔ یہ کہاں سے آیا میں تو ہمیشہ کفوں میں بٹن لگاتی ہوں"
"لاؤ دیکھوں تو آپ کی قمیض، سنو بیگم اس میں میری کوئی خطا نہیں، آپ اس کپڑے کو لیکر ذرا غور سے دیکھیں دیکھنے میں تو یہ صاف ریشم کا

ہے۔ مگر ہے جاپانی ڈوڈا، خدا جانے آپ نے کس سے لے لیا ہو کا قاعدہ ہے جہاں پانی میں بھیگا اور گیا، میں نے تو اسی لئے بھٹی پر بھی نہیں چڑھایا۔"

"اور یہ کفوں کا ڈورا؟"

"بیگم مجھ سے تو قسم لے لو جو میں لے پہنا ہو میں تو ہمیشہ حضور سے مانگ کے پہنتی ہوں۔ یہ دیکھو آپ ہی کی دی ہوئی قمیص ابتک پہنے ہوں نہ جانے شاید بھولے سے میری ساس نے پہن لیا ہو۔ خدا جانے یہ کمبخت ڈورا کہاں سے آگیا۔"

"بس بس اپنی زبان بند کر بھلا تیری زبان کے آگے کسی کی چل سکتی ہے، اچھا لا میرا وہ دوپٹہ اور میاں کی قمیص کہاں ہے جو تو پچھلی مرتبہ گھر بھول آئی تھی"

"لو یہ ایک اور ہوئی، اچھی کون سا دوپٹہ اور قمیص نہیں لائی"

"دیکھ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح نہ چندرایا کر، اگر میں بھولتی ہوں تو کیا یہ کاپی کا لکھا ہوا بھی غلط ہے۔ تجھے یاد نہیں وہ دھاری دار دوپٹہ جس میں ستارے ٹکے ہیں اور ڈپٹی صاحب کی ڈبل کالر والی قمیص ؟"

"ہاں بیگم ہاں یاد آیا مگر یہ دونوں کپڑے تو میں نے اپنی لمڈیا کے ہاتھ بیچ میں آپ کو بھجوا جو دیئے تھے۔"

"جھوٹ بالکل جھوٹ، کہتی کیوں نہیں کہ میں دونوں کپڑے ہضم کرنا چاہتی ہوں۔

"واہ بیگم واہ ایک کپڑا کیا کھو گیا کہ اب ہم سارے زمانے کے چور

ہو گئے اپنے بچوں کی قسم آپ کا کوئی کپڑا جو میرے پاس ہو،،
"نہیں میں ہرگز یہ نہ مانوں گی،،
"اچھا بیگم ہم تو ٹھیرے چور اور کمین ذات اور آپ ہیں اشراف ذات۔ میرا آج تک کا حساب صاف کر دیجئے اور پھر جس سے دل چاہے دھلواؤ،،
"حساب کا کیا ہے حساب کرلے۔ لیکن میں کپڑوں کے دام ضرور کاٹونگی،،
"اے تو آپ کپڑوں کے دام لیں گی یا کسی کی جان، کاٹ لو جو تمہارا جی چاہے ہم بھوکے ننگوں کا بھی اوپر خدا ہے،،
"اری تو تنخواہ کے علاوہ کتنا کچھ لیتی رہتی ہے اور جب دیکھو بھوکی ننگی، بھوکی ننگی ہے۔ تو میں کیا کروں،،
"دیا بھی آجتک کوئی انعام،،
خبردار زیادہ زبان نہ چلایئو کبھی جوتیاں کھاکر نکلے، چلی جا یہاں سے یہ لے اپنے حساب کے چھ روپے آٹھ آنے،،
"اچھی بیگم میری غلطی ہوئی مجھے معاف کردو، لاؤ میلے کپڑے تو لیتی جاؤں،،
"چل چل تو اب نکل یہاں سے، کل ول آیئو، دیکھا جائیگا۔ اور خبردار جو تونے آئندہ کبھی زبان چلائی۔،،
"بھلا میں اپنی بیگم کی بات ٹال سکتی ہوں، الہٰی تمہارے بچے جئیں ان کا سکھ اور خوشیاں دیکھو۔ اچھی بیگم ایک پان، منہ سوکھ رہا ہے۔ بڑی دیر سے نہیں کھایا،،
"اری سارا کلّہ تو بھر رہا ہے،،

"لے لو نری چھالیہ ہی تو ہے، اس میں کیا مزہ رکھا ہے، کتھ نہ چونا الائچی نہ زردہ۔"

"دماغ تو دیکھو اس دھوبن کے، شکل چڑیلوں کی مزاج پریوں کا"

"والے اس پر بھی مُوا، دل و جان سے فدا ہے۔ میں سچ کہتی ہوں اچھا لاؤ پان تو دو۔"

"چل بے غیرت، لے یہ پان اپنی طلب بجھا اور غارت ہو یہاں سے"

رمضانو کپڑے دے طرح بہ طرح کی باتیں ملا اپنے روپے وصول کر پان چباتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہوئی۔ گھر سے میاں کی روٹی، کلف کی پتیلی اور بغل میں بچے کو لیکر دریا کی طرف روانہ ہوتی ہے سر پر سفید لٹھ کا جھالردار برقعہ ہے جو اُس نے صرف برائے نام اوڑھ رکھا ہے سر سے پاؤں تک کھلا ہوا ہے۔ لیکن سینہ کو ململ کے بوٹے دار دوپٹہ سے ڈھانک رکھا ہے۔ جوتیاں پہنے ہوتے ہے زمین پر گھسٹر گھسٹر کرکے اس طرح چل رہی ہے۔ گویا اپنی جوتیوں سے سڑک کی جھاڑو دیتی جاتی ہو۔ چال میں کس غضب کی تیزی ہے۔ ایلو وہ دریا پر پہنچ گئی پل کے نیچے جہاں دھوبیوں کے گھاٹ ہیں ریت پر چل رہی ہے یہاں بھی اپنے قدم جلدی جلدی اٹھانا چاہتی ہے لیکن پاؤں ہیں کہ ریت میں دھنسے جاتے ہیں

آگے پیچھے اور بھی دھوبی دھوبن پیدل اور اپنے بیلوں پر آ جا رہے ہیں۔ بیلوں کے گلے کی گھنٹیاں بجتی سنائی دیتی ہیں، دریا کے کنارے دور تک گھاٹ ہی گھاٹ نظر آتے ہیں۔ سامنے دریا پار دوسرے کنارے پر بھی کچھ گھاٹ ہیں، لیجئے وہ اپنے گھاٹ پر آ گئی۔ وزیرا، کلن، عیدو اور زنگل چاروں کے گھاٹ برابر ہی برابر ہیں گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کمر جھکائے کھڑے ہیں ہاتھوں میں کپڑوں کی منٹھیں ہیں آگے پانی میں پٹے، پتھر کے بڑے بڑے چوکے پڑے ہیں اُن کا ایک سرا پانی کے اندر ہے اور دوسرا ذرا ابھرا نکلا ہوا ہے۔ کپڑوں کی ان منٹھوں کو بار بار پانی میں بھگوتے اور پتھر پر پچھارتے جاتے ہیں، پچھارنے میں کسی کے منہ سے چھو چھو کی آواز نکل رہی ہے اور کوئی شی شی کر رہا ہے۔ ذرا اُدھر دیکھئے دو تین منچلے دھوبی کپڑے دھونے کے ساتھ ساتھ گا گا کر خوش اور رنگین ہو رہے ہیں۔ ایک طرف چھوا چھو، چھوا چھو، آوازیں فضا میں گونج رہی ہیں دوسری جانب پتھروں پر کپڑوں کے بار بار پچھارنے سے متواتر جو صدا نکل رہی ہے وہ گانے کے بولوں کے ساتھ کچھ ایسی ہم آہنگ ہے کہ خواہ مخواہ اُس نے تال وسُر کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے

کر سولہ سنگار، نار دلبر کے چلی، دو تین بجے
چلے مٹکنی چال، چلت پر لگے بھلی، دو تین بجے
دو تین بجے ، دو تین بجے
جیوت ہے جو اور جیتر ساجن کی گلی، دو تین بجے
جھکی اندھیری رات، رات آندھی سر ڈھلی، دو تین بجے
دو تین بجے ، دو تین بجے
بھگوا بستر پہن، بھبوتی تن پہ ملی، دو تین بجے
چھپائے کومل گات، جوبن چمپے کی کلی، دو تین بجے
دو تین بجے ، دو تین بجے
بنی ہوئی پکھراج پری کندن کی ڈلی، دو تین بجے
آئی وصل کی گھڑی، ہجر کی رات ٹلی، دو تین بجے
دو تین بجے ، دو تین بجے
سینے پر چھنکائے، مونگ دشمن کے دلی، دو تین بجے
سن سوہن کے گیان، نار شیدی کی جلی، دو تین بجے
دو تین بجے ، دو تین بجے
"واہ واہ، واہ، واہ، ہئے ہئے"

اِن کا گانا سنکر دوسرے دھوبی بھی مستانے ہو گئے اپنی اپنی دھن میں گانے اور سنانے۔

پہلا دھوبی

گوری گوری بنیاں گدائے گدنا
ریشم کی چولی کسائے جبنا

دوسرا دھوبی

تو کھالے الائچی دانا
اور ہمیں بریلی جانا

تیسرا دھوبی

توپ خانے کی دھوبن بڑی موٹی
لہنگے ہیں چھپا لائی ڈبل روٹی

چوتھا دھوبی

لونڈا روئے گھڑی گھڑی
اُسے دودھ پلاتے گھڑی گھڑی

پانچواں دھوبی

نئی نوکری دوگنا چاؤ
اٹھ ری دھوبن کلپ بناؤ

پانی سے کچھ دُور ریت پر اور اُن جھاڑیوں پر
جو قدرت نے اِس ریتلی زمین پر پیدا کر رکھی ہیں
اِن دھوبیوں کے کپڑے پڑے سوکھ رہے ہیں۔
وہ دیکھئے رضا تو دُھلے ہوئے کپڑے ایک ایک
کرکے اٹھاتی اور مناسب جگہ پھیلاتی جاتی ہے۔
آہستہ آہستہ گاتی بھی جاتی ہے۔

وہ ساری رات جھگڑے میں بیتی بالم ہارے میں جیتی
آج کمون کل تیاری جمنے کے گھاٹ چلو پیاری
جمنے کا پانی میلا دے تم جھولی لگا لو چھیلا رے

ساری رات جھگڑے میں بیتی بالم ہارے میں جیتی

بارہ بج رہے ہیں آسمان سے آگ برس رہی ہے اور زمین پر پانی بہ رہا ہے۔ لیکن دھوبی اس آگ اور پانی میں بھی اپنا کام کر رہے ہیں، سیاہ فام بدن شیشے کی طرح چمک رہے ہیں، دو چار نے اپنا کام بھی چھوڑ دیا ہے، کوئی روٹی کھا رہا ہے، کوئی حقہ پی رہا ہے کوئی بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔ سامنے پل کی طرف سے ڈپٹی فخرالدین اپنے دوست اختر مرزا کے ساتھ آ رہے ہیں گھاٹوں کے قریب گذرتے ہیں وزیرا ان کو پہچان کر کہتا ہے۔

"آیئے ڈپٹی صاحب آیئے کیسے آنا ہوا؟

"ارے بھئی ہم شکار کھیلنے آئے تھے اب گھر جا رہے ہیں"

"میاں کچھ ہاتھ بھی لگا۔؟"

"یہ تو اندھا شکار ہے پھنس جائے تو ایک منٹ میں اور نہ آئے تو ساری رات"

"ہاں جی ٹھیک ہے"

"ارے آج صبح رمضانو آئی تھی اس کی گود میں بچہ بھی تھا۔"

"ہاں سرکار۔ دو اٹھواڑے ہوئے اس کے ہاں لونڈا ہوا ہے"

"ارے تو اسکو اتنے جلدی باہر نکال دیا۔"

"میاں صاحب ہماری عورت بڑی دھونتال ہوتی ہے"

"اختر مرزا کچھ سنا تم نے 'دھونتال'"

"جی ہاں، دھونتال یعنی زیادہ اور جلدی کام کرنیوالی"

"جی سرکار! اگر ایسا نہ ہو تو ہم غریب کھائیں کمائیں کہاں سے"۔
"ارے بھئی تمہاری عورت تو عورت بیل بھی بڑا مضبوط اور اکن ہوتا ہے"۔
"سرکار بڑے لوگوں کی ایک کہاوت ہے" سوداگر کا گھوڑا، کھا دے بہت، چلے تھوڑا۔ ہمارا تو بیل بھی سب کچھ کر لیوے ہے۔"
"خوب! تم لوگ ویسے تو کھانڈ ہو لیکن باتیں اس طرح کرتے ہو۔ جیسے پڑھے لکھے"
"حضور گھر گھر جاتے ہیں، گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے ہیں خالی ہوبلی تھوڑی ہیں، ارے منگل بابو جی کو ایک لاچاری تو سنا دے"

لاچاری

چلی میں دھوبی کے گھر جاؤں بھگت سے کہہ بھگتن
دھوبی کے گھر جاؤں بھگت جی سنو ہماری بات
ہمیں بر سیٹھا روز کھلا دیں گے مچھلی اور بھات
بھنا کے دیں گے گڑ دھنیا نا

"یہ کون سا گانا ہے؟"
"سرکار۔ اِسے لاچاری کہتے ہیں"
"لاچاری! میں کچھ سمجھا نہیں"
"بابو جی جیسے آپ شعر پڑھا کرتے ہیں نا، ایسے ہی ہم لاچاری گاتے ہیں۔"
"دھوبیوں کے تو کھنڈ بہت مشہور ہیں"
ہاں جی کھنڈ بھی ہوتے ہیں، برا چندولے اور لاچاری یہ اور

چیزیں ہیں ارے منگل تو چپ کیوں ہو گیا۔ وہ لاچاری تو
پوری سنا دے۔"
"سنا بھی منگل سنا۔"

اُجلی کپڑے ہمیں پہنا دے اُجل رکھے بنائے
نیچے ڈالے کمبل کا ٹکڑا اوپر کھیس بچھائے
بنا کے دے جھلنیا نا
مورا بریٹھا جگ جگ جیوے مدھیا روز بلائے
دن کو دھووے کپڑے نشانی ساری رات لگائے
دھلاوں میں رس بنیا نا

"بہت خوب! بھئی وزیرا کبھی موقع ملے تو ہمکو کھنڈ بھی ضرور سنواو"
ضرور بابوجی۔ چاہے آج ہی دیوے لیے آجانا، بڑے بڑے
گیانی آئیں گے۔"
"یہ گیانی کون ؟"
"جو لاچاریاں اور کھنڈ پڑتے ہیں ان کو گیانی کہتے ہیں اور ان کے
ساتھ جو گاتے ہیں۔ وہ سرلیے کہلاتے ہیں۔"
"کیوں ڈپٹی صاحب کیا ارادہ ہے۔"
"حضرت آپ ہی جائیے مجھے تو ان چیزوں سے کچھ رغبت
نہیں۔"

"اچھا کوئی حرج نہیں وزیرا ہم اکیلے ہی آئیں گے۔"
"ضرور ضرور بابوجی ضرور۔"
ڈپٹی فخرالدین اور اختر مرزا شہر کا رخ کرتے ہیں، وزیرا اپنے کام

میں مشغول ہوتا ہے کام کرتے کرتے چار بج گئے۔ دھوبیوں نے کپڑے اکٹھے کرنے شروع کئے گیلے کپڑوں کی لادیاں الگ باندھیں اور ڈھلے ہوئے سوکھے کپڑوں کی الگ، ترکیب کے ساتھ اوپر نیچے کرکے بیلوں پر لادیں، ناندوں اور ہودوں کو دریا پر چھوڑا، آگے پیچھے اپنے اپنے گھر کا رستہ لیا، ذرا دیکھئے تو بیلوں کی قطار کی قطار نظر آتی ہے، پورا ایک قافلہ معلوم ہوتا ہے، دن بھر کے تھکے ماندے ہیں۔ شہر کی منزل دور ہے۔ لیکن بڑی ہمت سے راستہ طے کر رہے ہیں، گھر پہونچتے پہونچتے شام ہوگئی۔ لادیاں اُتاریں، بیلوں کو کھونٹوں سے باندھ کر دانہ پانی دیا۔ دھوبن نے چولہا سلگایا۔ کھانا تیار کیا۔ بچوں کو ساتھ بٹھا کر دونوں نے کھانا کھایا دھوبن نے پھر چھوٹے بچوں کو سنبھالا تھپک تھپک کر باری باری سُلایا۔

میاں وزیرا نے دن بھر کے کام سے فراغت پائی ادھر اختر مرزا تشریف لائے کٹڑے کے باہر چوراہے پر ایک بڑا چوک ہے، دونوں طرف چارپائیاں بچھی ہیں۔ بیچ میں دریوں کا فرش ہے، روشنی کا ایک ہنڈا بھی رکھا ہے بہت سے دھوبی جمع ہیں۔ لاچاریاں گائی جارہی ہیں۔

لاچاری

ہنگا نہ پتر کی مانگے ساڑھیا نا
ساڑی بنا نہ وہ شووے دِھیرے دِھیرے کان میں پوے۔
نکھڑا اے آنسو سے دھووے روے پاڑیا نہ

ہم تو اب بہنیں گے وہی ہمرے من میں جو ن سی ہوئی
ہمراہ کا ڈ کرے گا کوئی ہووے باڑہی یا نا۔
تم کو لا کے دونگا سوئی رنگ چھوٹے نہ لینا دھوئی
چاہے کتنی میلی ہوئی ہو جاؤ کھاڑی یا نا
دنیا نے خوب تماری لوٹی ہم سے بدگا لے کوئی
لاچاری رات دن سن ہوئی اڑا دے گاڑیا نا۔"

"۔ وزیرا، وہ کھنڈ کب شروع ہونگے ہم تو وہی سننے آئے ہیں۔
ابھی ہوتے ہیں سرکار۔ وہ دیکھئے سامنے گُر لاہوری بیٹھے ہیں پہلے یہی پڑھیں گے اس کے بعد منشی الہ دین کی باری آئے گی۔"
دونوں گیانی اور اُن کے سُر لیے آمنے سامنے ہیں دونوں استادوں کے ہاتھ میں نگاڑا ہے، لیجیے وہ کھنڈ شروع ہوئے۔

کھنڈ

برہ: صنم نے کیا دل میں ٹھانا۔ کرنا جدا تھا تو کیوں کیا بہانہ، اور رہو گئے صاف شفاف۔

اور ایشور دے بھگتی اپنی رکھوں قدم جم جم کے تلے
ہر روز دھیان لگا رہے میرا بھولے ناتھ بم بم کے تلے
قدرت کے قربان برستا ہے پانی چھم چھم کے تلے
پیش نہیں چلتی آنسو گرتے ہیں تھم تھم کے تلے
خوب بنائے تہ خانے آب حیات، زمزم کے تلے
بہتہ کسیکو لگا نہیں وہ بیٹھ گئے رم رم کے تلے

گر لاہوری کے دشمن مرگئے دب کے یار تُم تُم کے تلے
سنا کروں میں خلق کا طعنہ، بتایا نہ کچھ بھی اپنا ٹھکانہ، یہ اچھا کیا انصاف
"واہ استاد واہ کیا کہنے ہیں وہی استاد کے، مانتے ہیں وہی تمکو"
سرکار اب منشی الہ دین والوں کا جواب سنئے"۔

کھنڈ

برہ:۔ سات برس کے غوث مولا رے، ماں باپوں کے نین کے تارے، وہ کرتے تھے بے حد پیار۔

کہا خدا نے زبان سے اپنی، لو میری تلوار سے علی رضی
دین محمد دنیا میں جاری کردو ایک بار سے علی رضی
رہے گو نجتے نام نبی سے، ہر کوچے بازار سے علی رضی
روشن ہو اسلام جہاں میں مٹ جاتے کفار سے علی رضی
مومن کے تم دل میں چمن ہو اور کافر کے خار سے علی رضی
سن کے سخن تلوار اٹھائی، ہو کے چلے تیار سے علی رضی
الہ دین عبد المنشی کے ہیں، وہ گلے کا ہار سے علی رضی

دل میں شوق علم کا بھاری، پڑھنے کی کرے تیاری، وہ چھوڑ چلے گھر بار۔

"واہ واہ، کیا سونا جواب دیا ہے استاد نے، سُبحان اللہ"

دلّی کے شہدے

دلّی کے شہدوں کو شاید آپ نے
شادی کی محفلوں میں دیکھا ہوگا
اُن کی آوازیں تو کم از کم ضرور
سُنی ہونگی۔ یہ شہدے کون
ہیں ؟ اور بھاٹ کون ؟ دونوں
کہاں سے آئے "شہدہ" یہ
نام کس طرح مشہور ہوا ؟ شادیوں
میں دلہن کا پلنگ اٹھانے کی
رسم ان کے ساتھ کیونکر مخصوص
ہوئی، دربارِ شاہی تک کیسے سائی
ہوتی، کیا نوابوں اور رئیسوں کے
لڑکے بھی شہدوں میں شامل
ہیں۔ بھانڈوں کی شاعری قوالوں
کے سہرے اور شادیانے، یہ
سب کچھ تفصیل سے معلوم
کیجئے ۱۲

دلّی میں شادی کی وہ کون سی محفل ہے جہاں دلّی کے پُرانے شہدے میاں حاجی ببّو اور بھورے نہ پہونچتے ہوں اور نکاح ختم ہوتے ہی اُن کی یہ آوازیں آپ کو نہ سنائی دیتی ہوں۔

"الٰہی سازگاری ہو اور محمّدؐ کا صدقہ۔"

"الٰہی دولہا ست پوتا ہو۔"

"اور دولہا کے باوا کو پوتے پڑوتے کھلانے نصیب ہوں اللہ کرے۔"

"آمین۔"

"دلوائیے سو رسیدت ہاتھ سے پچیس روپے اور دو شالہ ہم شہدوں کو۔"

اور درمیان میں اُن کے ہم نوا، الٰہ بخش رائے اور مخدوم رائے بھی اپنی پاٹ دار آوازوں کے ساتھ اُن کی ہاں میں ہاں نہ ملاتے ہوں۔

"دیجیے ہم شہدوں اور بھاٹوں کا انعام، خدا حضور کو سلامت رکھے۔"

"اور وہ دن ہو کہ فرزند سے گود بھرے دولہا میاں کی اللہ کرے۔"

"خدا کا دیدار ہو، محمّدؐ کی شفاعت، سازگاری ہو برخورداری۔"

اور اس کے بعد فوراً ہی جب قوالوں کے تیمور لنگ میاں عبدالرحمٰن قوال اپنے ساتھی شرف الدین کے ساتھ سہرے کے یہ بول

گوندھ لاری مالن پھولوں کا سہرا
آج بنا بنی کو مبارک
آج بنی جی نے سہرا بندھایا
حوروں نے سب مل منگل گایا
گوندھ لاری مالن پھولوں کا سہرا

ہارمونیم اور ڈھول کے بغیر الاپتے ہیں تو اُس وقت واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ سچ مچ شادی کی محفل ہے اور سہرے کے پھول دولہا دلہن پرسے نچھاور ہو رہے ہیں اور سارے جہاں کی خوشیاں قربان ہو رہی ہیں۔ عین اُسی وقت دولہا کی مسند سے دولہا کے بھائی اور دوستوں کا شہدوں اور قوالوں کو حکم نافذ ہوتا ہے کہ یہ چیخنا اور گانا بند کرو وہ خود سہرا پڑھیں گے لیکن اس سے قبل کہ وہ حضرات کچھ فرمانا شروع کریں یہ قوال صاحب اپنے دو بول اور سنا چکتے ہیں۔

ہریالے بنے ہووے مبارک شادی
جُم جُم نت نت ہووے شادی
پھول رنگ نے یہ دعا دی
ہریالے بنے ہووے مبارک شادی

بالآخر دولہا کے بھائی اور دوسرے عزیز اقربا اپنے لپنے سہرے سنا کر دادِ سخن حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے خاموش ہوتے ہی میاں عبدالرحمٰن ایک مرتبہ پھر جم کر اس طرح بیٹھتے ہیں کہ اُن کی کمر اور گردن بیساختہ ایک طرف جھک جاتی ہے۔ اُن کا دایاں ہاتھ اُن کے سیدھے کان پر پہنچ جاتا ہے۔ اور وہ خوب لہک کر عرض کرتے ہیں۔

چشمِ عالم میں رہے پتلیاں بن کر سہرا
کم نہیں آنکھ کے تارے سے یہ دلبر سہرا
شوقِ دیدار میں تاروں کی لگا کر عینک
آسماں دیکھ رہا ہے ترا جھک کر سہرا
اور بھی ہو گئی ماں باپ کو دونی الفت
دل میں گھر کر گیا نظروں میں سما کر سہرا
تیرے اولاد ہو، اولاد کے اولاد یونہی
سلسلہ وار ہمیشہ رہے بندھ کر سہرا
ہنسنے میں پھول جو جھڑتے ہیں دلہن کے منہ سے
اچھی مالن اُنہی پھولوں کا بنا لا سہرا

گویا وہ کوئی میر شاعرہ ہیں۔ کہ سب سے آخر میں اپنا تبرک پیش کر رہے ہیں آپ سنیں یا نہ سنیں وہ آپ کو سنائیں جائیں گے۔ پھر کیا مجال ہے کہ آپ اُن کو ٹال جائیں یا انعام دینے میں کچھ عذر کریں۔ آپ ہنسی خوشی نہ دیں گے تو وہ آپ سے چیخ پکار کر لیں گے۔ لڑ جھگڑ کر لیں گے۔ زبردستی لیں گے۔ لیکن بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں تو غنیمت جانئے۔ آپ نے انعام دینے میں جہاں ذرا سی ہیر پھیر کی یا اُن کی توقع اور منشا کے خلاف کچھ کم دیا تو پھر دیکھئے اُن کا چیخنا اور چلانا اور سنئے اُن کی چٹخے دار باتیں، زمین اور آسمان کے قلابے ایک کر دیں گے۔

"سرکار یہ مٹھائی اور چھوارے تو بٹتے رہیں گے پہلے ہمارا انعام اور دوشالہ دلوایئے۔"

"مل جائیگا، مل جائے گا، اتنا غل کیوں مچاتے ہو۔"

"وا، غل کیوں نہ مچائیں، برسوں سے جامع مسجد کی سیڑھیاں چاٹ چاٹ کے دعا کرتے ہیں، خدا خوش رکھے ہمیشہ خوشی کا شادیانہ گاتے ہیں۔"

"ارے سُن تو لیا بھائی، سُن تو لیا۔ لو یہ لو۔ بس اب نہ چیخنا کہہ دیا ہے میں نے۔"

"واہ واہ۔ یہ کیا دے رہے ہو میاں، رکھو اسے پچیس سے کم نہیں لیں گے۔ یہ ڈپٹی صاحب بیٹھے ہیں پوچھ لو ان سے دوسو روپے اور دوشالہ تو انہوں نے اپنے بیٹے کے وقت دیا تھا۔"

"بس بس۔ اب اور زیادہ نہیں ملیگا، مچائے جاؤ غل کوئی بات بھی ہے۔"

"بات کیوں نہیں ہے ہم کوئی روز روز آتے ہیں۔ روز روز مانگتے ہیں عمر بھر میں ایک ہی دن تو آتا ہے ہمارے مانگنے کا، نہیں نہیں میاں ہم یہ نہیں لیں گے۔"

"اچھا لو یہ اور، لو تو سہی ۔۔ اماں دیکھو تو سہی یہ کیا ہے؟ ارے بھئی اب تو یہ پورے ڈھائی ہو گئے۔"

"جی ہاں پورے ڈھائی ہو گئے۔ ڈھائی روپیہ کا تو میں تانگہ کر کے آیا ہوں۔ بڑی مدت میں تو خدا نے یہ دن دکھایا ہے۔ آج، اور تم یہ ڈھائی روپلی دے رہے ہو۔"

"آپ دلواتے نہیں ڈپٹی صاحب! بیٹھے دیکھ رہے ہو، خدا تمھیں رہتی دُنیا تک سلامت رکھے ذرا کہو نا ان سے، بلوایئے دولہا میاں کے بھائی اور چچا کو اُن سے لیں گے ہم تو، ہاں خدا رکھے اُن کے دموں کو۔"

"آخر کچھ لینا بھی ہے یا یونہی جھک جھک کرتے رہو گے، بتا دکیا لو گے؟

بولو، ارے بھئی بول چکو، جلدی بولو، جلدی، ہمیں تو اور بھی کام کرنے ہیں ۔"

"تو بس پھر دس روپے دلوا دو چپکے سے بس، اب اس سے کم نہیں لونگا اس وقت، ہاں کبھی اور جھڑاؤ، دو گھنٹے ہو گئے ہیں گلا پھاڑتے پھاڑتے اور دعائیں مانگتے مانگتے، میاں یہ ساری عمر اسی طرح گذر گئی ہے ۔"

"اچھا اچھا۔ یہ لو کسی طرح پیچھا تو چھوڑو، ٹلو تو سہی یہاں سے ۔"

"جیتے رہو میاں جیتے رہو، خدا کرے ایسی گھڑیاں بھئیں ہر سال نصیب ہوں اور روز روز ایسی خوشیاں منایا کرو۔ الٰہی دولہا دلہن کے جان و مال کی سلامتی ہو آمین محمدؐ کا صدقہ ۔"

سچ پوچھو تو یہ شہدے حقیقت میں منگلا مکھی ہیں۔ ان کی صورتیں صرف خوشی یا شادی کے موقعہ پر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ یہ نہ ہوں تو ساری محفل سونی نظر آتی ہے اور جو شادی اور خوشی اِن کی ٹولی کے قوالوں کے سہروں سے ٹپکتی ہے وہ ہرگز ہمارے سہروں سے ظاہر نہیں ہوتی، اتفاق سے اگر کسی محفل میں یہ نہ پہونچیں تو آپ لوگوں کو خود بخود اور بے ساختہ یہ کہتے ہوئے سنیں گے۔" ارے آج شہدے نہیں آتے اُن کو اور شادی کی خبر نہ ہو ضرور کسی بڑی جگہ ہاتھ مارا ہوگا ۔"

تھوڑی دیر بعد یہ پھر نازل ہوں گے لیکن چیختے اور چلاتے ہوتے نہیں بالکل چپ چاپ اور خاموش اور دولہا والوں سے پوچھیں گے "کہئے جہیز کیلئے کے سو کھاٹ پچھیاں منگواتیں، وہ دلہن کا پلنگ کہاں رکھا ہے۔ پہلے اُس کو باہر نکلوا دو، ہم اتنے اُسے سجائیں تم اتنے اپنا برتن بھانڈا، کپڑا لتہ اور زیور سنبھالو۔"

دلّی میں قدیم سے یہ رسم چلی آئی ہے کہ دلہن کا پلنگ صرف شہدے ہی اُٹھا ہیں اُن کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکتا۔ چونکہ عموماً شادی کی پہلی رات کو

تخت کی رات کہتی ہیں اِن شہدوں نے بھی اسی مناسبت سے پلنگ کو اپنی اصطلاح میں ڈھائی گھڑی کا تخت کہنا شروع کر دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ شادی کی تقریب میں دو تین دن تک دولہا دلہن اپنے گھر والوں اور عزیزوں کے دلوں پر بادشاہت ہی کرتے ہیں جسے دیکھو دولہا دلہن کی خاطر اور محبت میں بچھا جا رہا ہے۔

یہ شہدے اصل میں ہیں کون ؟ کیونکر اِن کا یہ نام پڑا اور آئے کہاں سے اور یہ پلنگ اٹھانے کی رسم اِن کے ساتھ کیونکر مخصوص ہوئی سب سے پہلے ملاحظہ ہو فرہنگ آصفیہ جلد سوم صفحہ ۱۹۵، مصنف فرہنگ آصفیہ فرماتے ہیں۔

"شہدہ۔ اسم مذکر۔ بے نام و ننگ، لچّا۔ بد معاش۔ گنڈا۔ لفنگا را، بدوضع، بازاری آدمی۔ اوباش ؎

شہدے، لچّے موئے خدائی کے
پھٹے منہ ایسی بے حیائی کے

"ایک فرقہ ہے جو اکثر ننگے سر ننگے پاؤں رہتا اور شادیوں میں دلہن کا پلنگ اٹھاتا ہے جب کسی مردے کو دور لیجاتے ہیں تو وہ بھی انہی کے سپرد ہوتا ہے جیسا یہ فرقہ گالی گلوج میں مشہور ہے ویسا ہی دیانت دار بھی ہے، اول درجے کے شہدے وہ ہیں جو دہلی کی جامع مسجد پر بیٹھے رہتے ہیں اب ننگے سر اور ننگے پاؤں نہیں رہتے اور نہ سیڑھیوں پر بیٹھے ہیں۔ (یوسف) ان کی عورتیں بھی کھانے کمانے میں شریک اور گالی گفتار میں ید طولیٰ رکھتی ہیں شہدہ ان کا نام دو وجہ سے مشہور ہوا۔ اول تو یہ کہ ان لوگوں کو

بات بات پر بنی جی وغیرہ کی قسم کھانے کی عادت ہے دوسری بات یہ ہے کہ شاید جھوٹی گواہی دینے سے بھی انہیں انکار نہیں ہوتا' چونکہ شہدا شہید کی جمع ہے جس کے معنی "گواہ" اور "قسم کھانے والا" دونوں ہیں پس اُردو والے اس کا اطلاق واحد پر بھی کرنے لگے جس کی وجہ سے اِملا شہدہ قرار پایا۔"

لکھنؤ میں ایک مدت سے یہ دستور چلا آتا ہے اگرچہ اب بہت کم ہوگیا ہے کہ شیعہ حضرات کی میتوں کی تجہیز و تکفین، جنازے کو قبرستان تک لیجانا اور دفن کرنا یہ تمام کام شہدے انجام دیتے ہیں۔ جان صاحب کے دیوان مرتبہ نظامی بدایونی مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۶ء میں ایک قطعہ بند اُن کی دیوالی والی خمسی میں شہدوں کی اسی خدمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

کنگلے تھے مال والی ملی، مجھ سی نیک ذات
سمجھو نہ کیوں یہ دل میں لگی خوب بُرد ہاتھ
ایسی نہ دو لگی سے جو کرو تم بدی کی بات
در گور آپ سے کہا، شہدوں کو بھی ہے مات
میرا محل نہ پیر بخارا بنائیے

اور شہدوں کا کہنا یہ ہے کہ تیمور بادشاہ جب کربلائے معلی گیا تو دیگر تبرکات کے علاوہ اُسے وہ پلنگ مبارک بھی حاصل ہوا جو خاتونِ جنت حضرت بی بی فاطمہؓ کا تھا۔ تیمور نے یہ پلنگ ایسے لوگوں کے سپرد کیا جو سادات میں سے تھے اور شہدے کہلاتے تھے یا بعد میں کہلانے لگے وہ شہدے۔ اُس پلنگ مبارک کو نہایت عزت واحترام کے ساتھ اپنے سروں پر رکھ کر تیمور کے ہمراہ ہندوستان لائے، یہاں آکر جب یہ خدمت پوری ہوگئی تو تیمور

حکم دیا کہ اب تم ڈھائی گھڑی کا تخت اٹھایا کرو چنانچہ آج تک اُسے شہدے ہی اٹھاتے ہیں۔

خاتونِ جنت کا پلنگ لانے اور بعد ازاں ڈھائی گھڑی کا تخت اٹھانے کی یہ حکایت محض دلہنوں کا پلنگ اٹھانے کی رسم کو صرف اپنے سے منسوب کرنے کے لئے گھڑی گئی ہے اور بالکل فرضی اور جھوٹ ہے البتہ اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرقہ اُس وقت کربلائے معلیٰ میں تھا ضرور، اور وہیں سے ہندوستان آیا اور کچھ عجب نہیں کہ تیمور ہی اِن کو اپنے ساتھ لایا ہو۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب روح رواں انجمن ترقی اُردو ہند نے انہی شہدوں کے بارے میں عربی کا ایک شعر پڑھکر سنایا تھا جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ بغداد میں بھی شہدوں کا وجود تھا افسوس کہ وہ شعر اس وقت میرے یاد نہیں۔

اصل میں تیمور شہدائے کربلا کے کچھ تبرکات ہندوستان لایا تھا جنکو وہ ہمیشہ اپنے لشکر کے آگے کجاوں میں رکھتا تھا اور جب کربلا کے ہوش رُبا واقعات سنتا تو اُن کجاوں کو بنظرِ احترام اپنے سامنے تختوں پر رکھوا لیتا چنانچہ اسی وجہ سے تمام تعزیے بھی عموماً کجاووں کی صورت کے بنائے جاتے ہیں۔ تعزئے اصل میں امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کی تربتوں کی نقل ہے جو بانس کے تیتوں پر رنگین کپڑا یا کاغذ منڈھ کر بنائے جاتے ہیں بہت ممکن ہے کہ تیمور نے اِن کجاووں کو اٹھانے اور رکھنے کی خدمت ان شہدوں کے سپرد کی ہو جس کو انہوں نے بعد میں اپنی زبردستی سے ڈھائی گھڑی کا تخت اٹھانے کی خدمت سے مشہور کر دیا۔ ورنہ بظاہر پلنگ اٹھانے کی صرف یہ وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ پہلے زمانہ میں چونکہ

سفر کٹھن اور پُر خطر تھا اور راہ میں لوٹ مار کی وارداتیں آئے دن اور کھلم کھلا ہوتی رہتی تھیں۔ اس لئے اُن خونخوار ڈاکوؤں اور رہزنوں سے جو اندھیرے اجالے اپنا موقع پاکر براتوں پر اِس غرض سے حملہ کرتے تھے کہ یا تو مال و زر ہاتھ آئے یا دلہنوں کے ڈولے اور پالکیاں چھین کر اُن کی عصمت و عزت پر ڈاکہ ڈالا جائے۔ ایسے تمام نازک موقعوں پر انہی شہدوں کی خدمات حاصل کی جاتیں، دلہنوں کے ڈولے پلنگ، زیور اور تمام نقد وجنس اُن کے حوالہ کی جاتی اور وہ اُن سب کو اپنی حفاظت اور امان میں لاتے اور منزلِ مقصود تک پہونچاتے۔ کیا مجال جو کہیں کیلی کا بھی کھٹکا ہو اور ایک کیل بھی چوری چلی جائے۔

بہر حال اِس فرقے کے قدیمی اور شاہی ہونے میں کوئی شک نہیں سید وزیر حسن صاحب دہلوی مصنف "آخری دید" لکھتے ہیں۔

"قلعہ میں جونہی سواری صدر دروازے کنے آتی، امیر اُمرا پایہ چھوڑ الگ ہو جاتے، توپیں دغتیں، زنبوریں چھوٹتیں، ڈھولیاں بجتیں، ساری فوج فرا سلامی اتارتی، شہدوں میں سے ایک آواز لگاتا "الٰہی یہ سال ایک ہزار اور نصیب ہوں" باقی اس زور سے آمین کہتے کہ خاصے کے گھوڑے بھی چمک اٹھتے۔ بادشاہ سلامت بھر بھر مٹھیاں روپے، دونیاں چونیاں پھینکتے، سواری رسان رسان آگے بڑھ جاتی"

پھول والوں کی سیر کا موقعہ آتا تو بادشاہ سلامت کے سونے کی نقرئی پلنگڑی شہدوں کے حوالہ کیجاتی۔ وہ اُسے لیکر مہرولی پہونچتے اور سیر کے بعد خود ہی واپس لاتے اور اپنا انعام پاتے۔ سرکار برطانیہ کیجانب سے

بھی پلنگڑی کا یہ انعام ایک مدت تک شہدوں کو ملتا رہا۔ اب صرف اُن پھول والوں کو ملتا ہے جو مہرولی جاکر پھولوں کے پنکھے چڑھاتے ہیں۔

قطب صاحب میں اولیا مسجد کے قریب ایک شکستہ عمارت "مقبرہ چہل تن چہل من" کے نام سے مشہور ہے جو زیارت گاہِ خواص وعوام ہے اس کے احاطہ میں چالیس قبروں کے سوا کچھ نہیں حاجی شہدے نے اِن قبروں کے بارے میں کہا کہ یہ سب ہمارے ہی بزرگوں کی قبریں ہیں چنانچہ اس گنبد میں اب بھی چند شہدے رہتے ہیں جو مجاوری کرتے ہیں ——

لیکن واقعات دارالحکومت دہلی کے مصنف مولوی بشیرالدین صاحب مرحوم اپنی کتاب مذکور کی جلد سوم صفحہ ۱۱۳ پر اسی عمارت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"چہل تن چہل من۔ سڑک کی بائیں جانب ٹیلے پر ایک بارہ مربع فٹ گنبد بنا ہوا ہے جس کا فرش رتیل سٹون (ان گھڑے پتھر) کا ہے، اس میں کوئی قبر نہیں ہے، گنبد کے سامنے ایک پختہ فرش کا احاطہ ۶۲ × ۳۵ مربع فٹ کا ہے۔ جس میں برابر برابر چالیس قبریں ہیں۔ ان بزرگوں کے حالات کچھ معلوم نہیں، کہتے ہیں کہ چالیس ابدال کی قبریں ہیں جو سید احمد کبیرؒ کی اولاد سے ہیں اور اسی میں سید صاحب موصوف کی قبر بھی ہے"

غرض شہدے میاں نے اپنی حسب عادت یہاں بھی سفید سی جھوٹ بولا۔

دِلّی میں شہدوں کی اس وقت تین ٹکڑیاں ہیں، پہلی ٹکڑی شہدوں کی ہے جن میں حاجی بتّو اور بھورے ہیں، دوسری بھاٹوں کی ہے۔ اور تیسری قوالوں کی، لیکن اِن شہدوں کے بغیر نہ تو غریب بھاٹوں کی کہیں دال گلتی ہے اور نہ ہی قوالوں کی کہیں پرسش ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے حاجی شہدے

سب کے منڈھ ہوتے۔ حاجی شہدہ کا اصل نام حبیب الرحمن ہے حاجی ہونے کے سبب حاجی شہدہ مشہور ہے۔ باپ کا نام وزیر شہدہ تھا اور دادا جمن جمعدار تھے، لال قلعہ سے شہدوں کی جمعداری کا خلعت ملتا تھا اور تنخواہ بھی مقرر تھی، کچھ عجب نہیں کہ مقرر ہو، اس لئے کہ یہ شہدے شادی بیاہ کی تقاریب کے علاوہ بھی اکثر موقعوں پر رئیسوں ہی کو مونڈھتے اور رکھاتے تھے مثلاً مہرولی میں پھول والوں کی سیر کے موقعہ پر مینا بازار میں رئیسوں کے کوٹھوں کے نیچے کھڑے ہوکر چیختے چلاتے اور انعام اینٹھتے، عید اور بقرعید کے تہواروں پر جاکر ستاتے، قلعہ کے اُمرا، وزرا اور شہر کے نوابوں اور رئیسوں سے ماہوار تنخواہیں وصول کرتے ——— اور جب اُن کی عزت و آبرو اور جان و مال کو کوئی خطرہ پیش آتا تو یہ صحیح معنوں میں اُنکے سچے حمایتی اور مددگار ثابت ہوتے اور اُن کے تحفظ کی خاطر اپنی جانیں تک لڑا دیتے۔

آمدنی کی اس کثرت اور فراوانی نے ایک طرف تو اِن شہدوں اور اُنکی عورتوں کو فکرِ معاش سے بالکل بے نیاز کیا بجز اس کے کہ وہ صبح سے شام تک جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے رہیں اور سیڑھیاں چاٹ چاٹ کر اپنے آقاؤں اور ولی نعمتوں کے حق میں دعائے ترقی عمر و دولت و اقبال کرتے رہیں، دوسری طرف اُن بگڑے رئیسوں اور اُن کے آزاد و آوارہ مزاج لڑکوں کو یہ موقعہ دیا کہ وہ آمدنی کی خاطر ان شہدوں میں آکر شامل ہوں اور اُن کے تمام رنگ ڈھنگ اختیار کرکے اور پوری طرح اُن کے شریکِ کار بنکر، اپنے ہاتھوں اپنی کھوئی ہوئی نوابی اور برباد کی ہوئی دولت کا ماتم کرنیکی بجائے ازسرِ نو اپنی رنگین دنیا کو آباد کریں اور دن رات اپنی زندگی مزے

سے گذاریں ؎

مشتاق عاشقی میں بے کیف ہے تقدس
جو عشق کے مزے ہیں سارے شہدپن میں

اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بے گناہ نواب اور رئیس جو غدر کے بعد بے سان و گمان ایسے بگڑے کہ اُن کا حُلیہ تک بگڑ گیا، پیسے پیسے اور کوڑی کوڑی کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے مجبور ہو کر اپنی بسر اوقات کے لئے شہدوں میں مل گئے ہوں۔ جب افرادِ شاہی میں سے بعض بدقسمت شہزادوں نے اپنے ہی نمک خواروں کے ہاں ڈیوڑھی پر رہ کر ایک مدت تک اُن کی چلمیں بھری ہوں اور شہزادیوں نے گھروں میں ماماگیری کی ہو تو معمولی نوابوں اور رئیسوں کا شہدہ بن جانا کون سی دشوار بات تھی، لہذا شہدوں کا یہ کہنا اور بعض لوگوں کا یہ گمان غلط نہیں کہ ان شہدوں میں بہت سے نواب اور رئیسوں کے لڑکے بھی شامل ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کون کون بدقسمت تھے یا ہیں، خدا اُن کا یہ راز یونہی قائم رکھے تو بہتر ہے۔

دوسری ٹکڑی دِلّی کے بھاٹوں کی ہے، جیسے گویوں کے جگت استاد تان سین ہوئے ہیں اِسی طرح اِن بھاٹوں کے بزرگ بقول الٰہ بخش رائے بھاٹ دہلوی کوی گنگ رائے بھاٹ تھا شہنشاہ حضرت اکبر کے دربار میں ملازم تھا اور اکبر بادشاہ نے اُس کی کسی خطا پر اُسے قتل کرا دیا تھا موجودہ بھاٹوں میں الٰہ بخش رائے اور اُن کے ساتھیوں میں مخدوم رائے اور شرفو رائے بھاٹ ہیں۔ الٰہ بخش رائے کے باپ قلندر بخش رائے، دادا سُدرا رائے پردادا انظام رائے اور سکڑدادا فکرو رائے تھے جو بقول

الہ بخش رائے عرب سے ہندوستان آئے اور شیخ کلیم اللہ جہان آبادی علیہ رحمتہ اپنے ہمراہ دہلی لائے شیخ صاحب موصوف ہی نے قلعہ میں پہونچایا اور تنخواہ مقرر کرائی، غدر سے پہلے خانم کے بازار میں رہا کرتے تھے غدر کے بعد قدم شریف چلے گئے اور اب تک وہیں رہتے ہیں۔ ان کے متعلق مصنف فرہنگ آصفیہ نے جو کچھ رقم فرمایا ہے ذرا وہ بھی سن لیجئے۔

"بھاٹ اصل میں ہندوستان کی ایک قوم کا لقب ہے جو اکثر نسب یاد رکھتی ہے اس لئے گاؤں اور دیہات میں اس کی بڑی عزت و وقعت ہوتی ہے بھاٹ کے لغوی معنی، ہجو کرنے والا پھبتی اڑانے والا، عیب جو، رسوا کن، خوشامدی، کبیشر جو کبت اور اشلوک بنائے یا دوسروں کو سنائے۔"

چنانچہ مثل مشہور ہے کہ "کبت بھاٹ کو اور کھیتی جاٹ کو" کبت کہنے کی وجہ سے کوئی ہوتے مجازاً رائے تو تھے ہی اس لئے کوئی رائے یعنی شاعروں کے بادشاہ بن بیٹھے بقول حضرت امیرؔ

جو کہے تجھکو بنا دیں اے امیرؔ
ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ

شہدوں کو تو آپ نے اکثر دیکھا ہوگا، کبھی شرعی پاجامہ اور کبھی تہ بند، لمبا ڈھیلا ڈھالا جیب دار کرتا، کرتے پر بند گلے اور بے آستینوں کی صدری کندھے پر گز بھر کا رومال، سر پر کا ملا زعرق چین ٹوپی، پاؤں میں ہندوستانی سادی جوتی، اب ذرا الہ بخش رائے بھاٹ کا حلیہ بھی ملاحظہ ہو۔

لمبا قد۔ دوہرا ڈیل، چوڑا چکلا چہرہ۔ گندمی رنگ، بھروان مٹھی بھر

ڈاڑھی، لٹھے کا شرعی پاجامہ، ململ کا ڈھل ڈھل کرتا، کرتے پر اچکن، سر پر پگڑی نما صافہ، کندھے پر تہ کیا ہوا زنگین دوشالہ، کمر تک لٹکتا ہوا، کمر میں بگلس کی وضع کی پیٹی، زبان، الٰہی توبہ جو بولے اُسی کی ہیٹی، حجام کی قینچی بھی کیا چلے گی، ایک منٹ میں بیسیوں لفظ اور ہر لفظ میں بیسیوں باتیں، آوازیں تو آپ پہلے ہی معلوم کر چکے اب مشتے نمونہ از خروارے انکی شاعری بھی ملاحظہ ہو

دربار شاہی میں سلام

پڑھکر بسم اللہ، اُس اللہ کو یاد کیا
اور نبی جی کا کلمہ دین اور اسلام ہے
اولاد باوا آدم کی، پیسر کے مرید
رسنا کے طالب اور گنیٔ[۱] کے غلام
نگرے[۲] کو نصیحت دیں ایسے نروپ بھوپ — دعا[۱] صاحب فن
سائیں سبحان ہی جیت دیں! — احسان[۲] فراموش
گدائے رائے حاضرا حضور!
سگل دربار کو سلام ہے

تخت کی تعریف

کنک[۱] تخت اوپر نگ جڑے سب جواہر — سونا
جھلز موتیوں کی چھتر ہل لیتا ہیں — جھالر
مکٹ سیس[۲] پر نور کا تجلی! — تاج - سر
لکھے حال ودِنا علی مہابلی ہیں
پیغمبر کی مسند پہ بیٹھے جو حیدر
کری جو عدالت تو قاضی قضا ہیں

قاضی قضا کے قدر چار دفتر
مفتی صدر پردہ ارض و سماں ہیں
نبی ہیں محمد شفیع روز محشر
امیر عرب شاہ مشکل کشا ہیں

قصیدہ

اول تو خدا خوب دوسرے رسول خوب
کون کون خوبی کہوں قادر سبحان... کی
منڈپ بھی بہتیرے کیا صفت آسماں کی (شامیانہ)
اور فرش بھی بہتیرے کیا ریس ہے زمین کی
بیویاں بھی بہتری کیا ریس ہے فاطمہ خاتون کی
اور مرد بھی بہتیرے کیا ریس ہے مولا مشکل کشا کی
اور کاغذ بھی بہتیرے کیا ریس ہے مسلمان کی
اے جی مسلمان بھی بہتیرے کیا ریس ہے ایمان کی
تیس روز روزے پنج وقت کی نماز
پھیرتے تسبیح اور سبق لیتے ہیں قرآن کا
ہر سُو باجت ہے ڈنکا دین اسلام کا
اور رنگ زیب مہا بلی اے جی عید کی بہار کی
مہینہ اُترا رمضان کا

بھٹی یا ہجو کا طریق یہ تھا کہ جس شخص کی ہجو منظور ہوتی اگو ڈر اکٹھا کرکے ایک پوٹلی سی بنا لیتے اُس پر ایک صاف کپڑا لپیٹ کر اور آنکھ ناک کان وغیرہ

بنا کر اُس شخص کا اُس پر نام لکھا جاتا پھر اُسے ایک نیزے یا بانس پر نصب کرکے بازاروں میں پھرتے اور جگہ جگہ کھڑے ہو کر بھٹی اڑاتے ۔ اُس بھٹی کا ایک نمونہ بھی ملاحظہ ہو۔

بھٹی

کلر[1] کو کہا کھیت کپٹی[2] کو کہا ہیت[3]
بیسا[4] بسوا[5] اس پہ کب تک سمجھائیے
کاٹ کی تلوار سے کوئی جنگ جیتیے ۔
رانگ کے روپے کو کب تک چلائیے
جو جاگتے ہی سو جائے اُسے کیونکر جگائیے
پتھر کی مورت کو کب تک سمجھائیے
اکبر بے اکبر تیری عقل پر پڑے پتھر
تو نے گنگ سے گنی کو گیند سے ٹڑائیے

[1] بنجر زمین [2] دشمنی
[3] محبت ۔ [4] بیس کا عدد
[5] بیسواں حصہ ۔ [6] ہوا

تیسری ٹکڑی عبدالرحمن، شرف الدین اور رحیم الدین قوالوں کی ہے جنکے سہرے آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں، ان کے متعلق اب اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ شادی بیاہ کی محفلوں کے قوال ہیں، ویسے بھی گاتے پھرتے ہیں، شادی کے دن سہروں کی صورت میں اپنا راگ الاپ کر شہدوں اور بھانڈوں کی چیخ پکار میں شامل ہو جاتے ہیں جو کچھ اِن کی تقدیر کا ہوتا ہے وہ اِن کو علیحدہ مل جاتا ہے اِس کے سوا شہدوں اور بھانڈوں سے اِن قوالوں کا اور کوئی تعلق نہیں

دِلّی کا مکتب

قدیم اسلامی نظامِ
تعلیم، موجودہ طریقِ
تعلیم سے بہت
مختلف تھا۔ اِس
مضمون میں آغازِ
تعلیم، ابتدائی اور
اعلیٰ مکتبوں
کی کیفیت، شاگردوں
کی حالت، استادوں
کی وضع قطع اور
طریقِ تعلیم پر ایک
دلچسپ انداز میں
روشنی ڈالی گئی
ہے۔ ۱۲

نواب سلطان احمد خاں اور انکی بیوی قمر جہاں اپنے بچوں کی تعلیم کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔

"کیوں بی اس شوکت کی کیا عمر ہو گی ؟"

"شوکت تو یہی سات برس کا ہو گا اور جہاں آرا، خدا رکھے اسی مہینے چار بھر کے پانچویں میں لگی ہے۔"

"کچھ ان بچوں کی پڑھائی کا بھی تمہیں خیال ہے یا اپنے لاڈ و پیار میں ان کو ایسا ہی ٹھوٹ اور بد تمیز رکھو گی۔"

"خدا نہ کرے بد تمیز کیوں ہوتے شوکت نے تو قرآن شریف ختم کر لیا ہے جہاں آرا ابھی بچی ہے جب اسکا وقت آئیگا وہ بھی لکھ پڑھ لیگی۔"

"کیا خاک ختم کر لیا۔ کئی دن ہوتے ہیں نے دو چار جگہ سے سنا تھا پوری ایک سطر بھی نہ پڑھ سکا اُسے کھیلنے اور لڑنے بھڑنے ہی سے فرصت نہیں۔"

"آخر دونوں بچے ہی تو ہیں اور بچے شرارت کیا ہی کرتے ہیں۔"

"تم ہر وقت انکی حمایت لیتی ہو اور میں شوکت کو ہمیشہ یا تو کنکوے بازی میں مصروف پاتا ہوں یا گلدم لڑانے اور کبوتر اڑانے میں، جب دیکھو ایک دوسرے سے لڑنا بھڑنا رات دن سارے محلہ میں چیخم دھاڑ مچی رہتی ہے۔"

"اچھا! اور جہاں آرا کیا کیا کرتی ہے ؟"

"جہاں آرا کون سی نیک ہے سارے دن مکان میں گدکڑے مارتی پھرتی ہے۔ کونے کونے کے جالے لیتی ہے، کیا مقدور جو اُسے کبھی نچلا بیٹھے دیکھ لو۔ اور پھر

ضدی تو اتنی ہے کہ جس بات کی ضد چڑھے پھر دن پڑی ایڑیاں رگڑے وہ دھینگے مچائے کہ سارا گھر سر پر اٹھالے ،،

"توبہ! توبہ! الہٰی توبہ!! تم نے تو بچوں کی شرارت کا ایک پل باندھ دیا، خوش ہو نیسے تو رہے کہ خدا نے یہ دن دکھایا، اس گھڑی کے تولالے تھے ،،

"پتھر پڑیں تمہاری اس عقل پر، آگے چل کر کیا اُن کے یہی باتیں کام آئیں گی "

دھما تھا پیٹ کر، میں کہتی ہوں میرے سر کیوں ہو رہے ہو، میں تو بُری ہوں تم باپ ہو، لکھاؤ پڑھاؤ جو چاہو سو کرو تمہاری اولاد ہے"

"خدا تمہارا بھلا کرے دیکھو تو یہی یہ بات کہی ہے تم نے، ایک ذرا حمایت نہ لو۔ پھر دیکھو وہ کیا سے کیا بن جاتے ہیں "

"ہاں ہاں کہہ تو رہی ہوں کہ میں آج سے بیچ میں نہ بولونگی ،،

"چلو پھر ہنسی خوشی بچوں کی شادی رچاؤ، جہاں آرا کی بسم اللہ کرو قرآن شریف پڑھنے پر لگاؤ، شوکت سے قرآن شریف کے ہدیہ کی رسم مناؤ اور پابندی سے مکتب بھیجا کرو،،

سہ پہر کا وقت ہے، پانچ بج رہے ہیں، شوکت اور جہاں آرا دونوں ریشمی پوشاک پہنے مسند پر بیٹھے ہیں، گلے میں پھولوں کا گہنا ہے، عزیز اقارب جمع ہیں، سامنے خوانوں میں پستے، بادام، تل اور خشخاش کے لڈو رکھے ہوئے ہیں۔ ایک کشتی میں مولوی صاحب کا خلعت، انعام کے روپے، طلسی مصلیٰ اور کمخوابی جزدان کا قرآن شریف ہے اسی میں، ایک چاندی کی تختی رکھی ہوئی ہے جس پر

اقرا باسم ربک الذی خلق" لکھی ہوئی ہے ۔ مولوی صاحب تشریف لا رہے ہیں ، آگے آگے خود ہیں پیچھے پیچھے مکتب کے کچھ لڑکے ہیں ۔

مولوی صاحب نے آتے ہی مصلا بچھاکر پہلے شوکت کو نماز پڑھوائی ۔ اب جہاں آرا کو بسم اللہ پڑھوا رہے ہیں ۔

"لو بیٹی ! بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو کہو ، پھر ہم تم کو مٹھائی دیں گے ، ہاں ! اور یہ ڈھیر سارے چاندی کے روپے بھی ۔ بس ایک دفعہ کہہ لو پھر سب مٹھائی اور روپے لے لینا ۔"

"بسم اللہ"

"نہیں بھئی ! پوری کہو اور اقرا باسم ربک الذی خلق بھی تو کہو ۔"

"بسم — اللہ — الرحمٰن — الرحیم — اق — را — باسم — رب — کل — لذی — خلق ۔"

"شاباش شاباش ، واہ واہ واہ ۔ عمر دراز ۔ خدا تم کو بہت سا علم اور دولت عطا فرمائے ۔ خوش نصیب ہو ۔"

"آمین آمین ۔"

"بچو ! اب تم سب قطار میں کھڑے ہو جاؤ ۔ شوکت ! آؤ بیٹا تم بھی ہاتھ باندھ کر میرے پاس کھڑے ہو ۔ میں آمین پڑھتا ہوں ، بچو ! تم سب ایک ساتھ آمین کہنا ۔"

آمین

اعوذ باللہ من الشیطانی - بسم اللہ الرحمانی آمین

فرزندِ نیک زادی نامش نکو نہادی ۔ این دم بکُن تو شادی سبحان مَن یرآنی ۔ آمین
ختم قرآں نمودہ علمِ زماں ربودہ ۔ فرحت بجاں رسیدہ " " "
اے مادرِ خجستہ بکشائے قفل بستہ ۔ تشریف دہ دو دستہ " " "
کچھ کھانڈ کچھ چھوارے آگے رکھو ہمارے ۔ شاگرد کھاویں سارے " " "
آمین تمام کردم انعام خواجہ بُردم ۔ حلوہ و شہد خوردم " " "
لو بیٹے! اب ہاتھ کھول دو ۔ خدا تمہاری عمر دراز کرے خوب لکھو اور پڑھو
اور ہمیشہ اپنے ماں باپ اور استاد کا ادب کرو ۔ آمین ''
''آمین ۔ آمین ۔ آمین''

اب مولوی صاحب روزانہ جہاں آرا کو گھر پر قرآن شریف پڑھانے آتے ہیں اور شوکت ہر روز علی الصبح ملازم کے ہمراہ مدرسہ جاتا ہے ۔ اس مدرسہ سے ملحق ایک مسجد بھی ہے ۔ مسجد میں حوض ، دالان ، حجرے سب ہی کچھ ہیں ۔ مولانا جلالی جمعہ کے جمعہ وعظ اور ہر روز دن کے بارہ بجے تک طلبا کو درس دیتے ہیں ۔ دوسرے استاد حافظ کمالی ہیں ۔ یہ دونوں وقت بچوں کو صرف قاعدہ ، قرآن شریف خالق باری ۔ کریما اور گلستاں ، بوستاں وغیرہ پڑھاتے ہیں ۔

صبح کا وقت ہے ، مدرسہ کھل چکا ہے ، لڑکے باتیں چیتیں کرتے آگے پیچھے چلے آرہے ہیں ۔

آکر ٹاٹ کے فرش پر بیٹھتے ہیں ۔ ٹاٹ میلا کچیلا ہے ، کہیں ردی کاغذ کے ٹکڑے اور کہیں چنوں کے چھلکے پڑے ہوئے ہیں ، ایک کونے میں کسی کا بستہ پڑا ہے ، دوسری طرف کسی کی رحل پڑی ہے ۔ ایک شاگرد نے آتے ہی استاد کی مسند کو جھاڑ کر گدی کو بچھایا ۔ گدی کے قریب بیٹھکر اپنے سبق کا ورد کر رہا ہے

دو تین لڑکے لڑ رہے ہیں اور آپس میں خوب گدّ بدّ گدّ بدّ ہو رہے ہیں ایک دوسرے کو ڈانٹتے بھی جاتے ہیں۔

"چھوڑتا ہے یا نہیں، دیکھ مارتا ہوں، سچ کہتا ہوں پٹخ دونگا او مختار لیجو ذرا اِس کے چٹکی"

"دیکھو بیاں تم نہ بولنا نہیں تو کاٹ کھاؤنگا"

"ابے چل تو سہی"

کوئی چیخ رہا ہے، کوئی تالیاں بجا رہا ہے۔ اتنے ہی میں حافظ کمالی تشریف لاتے ہیں، دُور ہی سے للکارتے ہیں

"کیوں بے لڑ رہے ہو، اچھا بتاتا ہوں تم کو۔ حرام خور کہیں کے، چلو کھڑے ہو خالق باری کا ورد شروع کرو"

دونوں طرف لڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں درمیان میں حافظ کمالی صاحب ٹہل رہے ہیں۔

"بولو پہلے کون شروع کریگا؟"

"حافظ جی! میں۔"

"اچھا تو ہی پڑھ"

"خالق باری سرجن ہار
واحد ایک بدا کرتار
رسول پیمبر جان بسِشٹ
یار دوست بولی جا اِشٹ
اسم اللہ خدا کا نانوں
گرما دھوپ سایہ ہے چھانوں"

"ممتاز! تو "بیا آو نشین بیٹھ" سے شروع کر۔"

"بیا آو نِشین بیٹھ برو جا!
بیں دیکھ، بدھ دے بخور کھا
بسا پیس، بکش کھینچ، بچش چاکھ
بزن مار، بدر پھاڑ، بنہ راکھ
گلو حلق، دھن مُکھ، سخن بول
شکم پیٹ، لنظر دشٹ، دہل ڈھول

"حافظ جی اب میں پڑھوں"
"کہاں سے پڑھے گا؟"
"اِس کے بعد سے"
"نہیں نہیں تو آخر سے پڑھ"

"ہکہک ہچکی، فاژہ جمائی
خمیازہ کھیے انگڑائی
عطسہ چھینک، آروغ ڈکار
محک کسوٹی جان عیار
آخر انجام ہے نیز تمام
انت بانت ہے ختم کلام
مولوی صاحب سدن پناہ
گدا بھکاری خسرو شاہ"

"اچھا بیٹھو اب اپنا اپنا سبق سُناؤ عابد! آ، پہلے تو سُنا"
"بہت اچھا حافظ جی۔"

"ہوں ..... ہوں ..... شاباش ..... شاباش ..... ہوں ..... ہوں شاباش۔ کیوں رے تو آج دودھ نہیں لایا۔"

"حافظ جی! لایا تو تھا، رستے میں گر گیا۔"

"پھر جھوٹ بولا۔"

"نہیں جی! سچ کہتا ہوں۔"

"اچھا، اچھا۔ گھر میں تو ہوگا، جا گھر جا، کہیو استاد جی اور مانگ رہے ہیں۔"

"بہت اچھا۔ حافظ جی آج عیدیاں بھی تو بٹیں گی کل شب برات ہے نا؟"

"ارے ہاں ہاں تو جا تو سہی۔"

او مختار تو کیا کر رہا ہے ادھر آ اپنا سبق سنا۔"

"حافظ جی! ذرا یاد کرلوں۔"

"ورے آ ورے میں یاد کراؤں، شیطان کہیں کا صبح آتے ہی لڑ رہا تھا، سنا جلدی۔"

"ا پیش اُو۔ ب پیش بُو۔ ت پیش تُو

"(مارتے ہوئے) یہ تو کا تُو کہاں سے بن گیا۔"

"(روتے اور چیختے ہوئے) اچھی حافظ جی! اچھی، اچھی، اچھی۔"

"کہہ پھر کہہ ت پیش تو۔"

"ت پیش تُو۔"

"پھر وہی تُو تُو کیوں بے پھر وہی تُو تُو۔ ہاتھ ہٹا، میں کہتا ہوں

منہ پر سے ہاتھ ہٹا، نہیں ہٹاتا، اچھا تو اب لکڑی سے پٹ،،

" حافظ جی! حافظ جی اب کے ضرور یاد کرلونگا ـــ اب کے یاد کرلونگا ـــ اب کے یاد کرلونگا "

" جا دفع ہو، کان پکڑ وہاں جا کر، اور ابھی یاد کر کے سنا "

" السلام علیکم جناب حافظ صاحب! "

" وعلیکم السلام، آئیے آئیے شیخ صاحب، کہئے کیسے آنا ہوا؟ "

" حضرت! میں اِن برخوردار کو آپ کی خدمت میں بٹھانے لایا ہوں "

" اچھا یہ تمہارا بچہ ہے، آؤ صاحبزادے آؤ، کیا نام ہے میاں تمہارا "

" صادق "

" کیوں بیٹے تم نے ابتک کیا کیا پڑھا ہے "

" جی ۔ خالق باری ۔ حمد باری ۔ کریما ۔ آمد نامہ ۔ دستور صبیاں "

" خوب! اچھا کریما تو سناؤ "

" کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا
نداریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس
نگہدار مارا زِ راہِ خطا!
خطا در گذار و صوابم نما "

" کچھ حمد باری بھی یاد ہے! "

" جی ہاں "

" بتاؤ آسمانی چیزیں کون کون سی ہیں "

آسمان ہے چرخ سما گردوں اور فلک
تارا اختر ہے فرشتہ ہے ملک
تارے جو پھرتے ہیں خود سیارہ ہیں
اور ثوابت باقی اے مہ پارہ ہیں
جان سورج شمس خورشید آفتاب
چاند ہے بدر و قمر مہ ماہتاب
جو ستارہ ٹوٹے جان اُس کو شہاب
برق بجلی اور بدلی ہے سحاب
غیث و باراں جان مینھ کیچڑ خلاب
ہے گرج رعد اوس شبنم پانی آب

"اچھا۔ اب چند انسانی اعضا کے نام بیان کرو"

"روح جی ہے جسم تن کا نام ہے
ہے زبان جیب اور تالو کام ہے
چشم آنکھ، ابرو ہے بھوں، رخسار گال
کھوپڑی ہے جمجمہ اور موئے بال
راس سر ماتھا جبیں ہے کان گوش
منہ دہن، ٹھوری ذقن کندھا ہے دوش"

"شاباش شاباش۔ بس بھئی اب تم کل سے گلستان شروع کر دو"

"جی ہاں"، جب آپ توجہ فرمائیں گے تو کیوں نہ پڑھیگا اور اگر نہ پڑھے تو اس کا سارا گوشت و پوست آپ کا ہے اور صرف ہڈیاں میری ہیں۔"

"نہیں نہیں بھئی! تم بےفکر رہو انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائیگا"

"حافظ جی! مجھے اِس فقرہ کی ترکیب تو بتا دیجئے"

"جملہ پڑھو"

"ضَرَبَ زَیْدٌ عَمْراً"

"یہ بھی کچھ مشکل ہے۔ ارے اِس میں زید فاعل ہے اور عمر مفعول"

"اے جی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے"

"پھر کیا پوچھتا ہے"

"سوال یہ ہے کہ زید نے عمر کو کیوں مارا"

"بیوقوف! تو اتنی بات بھی نہیں سمجھتا، عبارت کی ترکیب بتلانے کے لئے یہ جملہ بطور مثال پیش کیا گیا ہے، درحقیقت مارنے کا فعل واقع نہیں ہوا"

"حافظ جی کتاب میں تو یہی لکھا ہے"

"تو بھی کاٹ کا اُلّو ہی ہے، ارے کم بخت زَید اور عَمر دونوں فرضی نام ہیں۔ زید نے عمر کو نہیں مارا نہ عمر کبھی زید سے پٹا"

"اے جی میں تو اب بھی نہیں سمجھا، آپ زید یا عمر کو بلا کر کیوں نہیں پوچھ لیتے"

"جا جا۔ تو پوچھتا پھر، جہنم میں جا۔ میری طرف سے، خبطی کہیں کا"

"حافظ جی وہ عابد آگیا۔ عابد"

"کیوں رے عیدی لینے کی تو اس قدر جلدی تھی اور دودھ اتنی دیر میں لایا ہے"

"حافظ جی پٹاخے چھوڑ رہا ہوگا پٹاخے، دیکھ لیجئے دو تین لڑیاں تو اب بھی اِس کی جیب میں ہونگی"

"بھلا رے تو آتش بازی بھی چھوڑتا ہے، دکھا تو اپنی جیب، یہ دیکھ نکلی نا- یہ لڑی، اور ایک چھچھوندر بھی ہے، اچھی بات ہے تیری عیدی ضبط۔"

"لے جی یہ تو سب میرے چھوٹے بھائی کی ہے"

"اچھا- لا پیسے دے عیدی کے، اور خبردار جو تو نے آتش بازی چھوڑی اور تم سب بھی سن لو، اگر کسی ایک نے بھی آتش بازی چھوڑی تو اچھا نہ ہوگا جانتے بھی ہو- یہ سخت گناہ ہے- لو آؤ اپنی اپنی عیدیاں لو- لے بھئی عابد یہ اپنی عیدی لے"

"حافظ جی میں تو سرخ رنگ کی لونگا"

"بیوقوف سبز کیا بری ہوتی ہے، لکھی ہوئی تو دونوں ریشمی کاغذ پر ہیں اور دیکھو اس کی بے ادبی نہ کرنا، اللہ کا نام لکھا ہے اس میں۔"

"لے جی یہ عیدی ہے یا اللہ کا نام"

"ارے بیوقوف! یہ تمام قرآن شریف کے حروف ہیں، سنو میں پڑھکر سُناتا ہوں۔

عیش لیل و نہار دیکھو تم
زندگی کی بہار دیکھو تم
شب برات ہو عید ہو کہ بقرعید
ایسی خوشیاں ہزار دیکھو تم

لڑکے عیدیاں لیکر خوشی خوشی اپنے گھر جا رہے ہیں، مولانا جلالی بڑے مولوی صاحب مسجد کے دوسرے دالان میں ابھی پڑھا رہے ہیں شاگرد ایک حلقے کی صورت میں بیٹھے لکڑی کی تپائیوں پہ کتابیں کھولے کہنیاں

ٹکائے گردن جھکائے کتاب کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ کان اُستاد کی آواز پر لگے ہوئے ہیں۔ مولانا اپنی مسند پر بیٹھے ہیں۔ سر پر صافہ، بدن پر شیروانی نما نیچا کرتا، ٹخنوں سے اونچا پاجامہ، لابنی سیاہ و سفید ڈاڑھی الجھی ہوئی زلفیں پیشانی پر نماز کے سجدوں کا نشان، مسند پر ایک طرف تسبیح اور رومال اور دوسری طرف چاندی کی سفید شام دار لکڑی، ہاتھ میں کتاب ہے، پڑھانے میں مشغول ہیں۔ بیچ میں ایک انگیٹھی رکھی ہے۔ کوئلے سلگ رہے ہیں، کبھی کبھی کوئی اپنے ہاتھ سینک لیتا ہے۔

"خالد! اب تم دوسرا شعر پڑھو"

"تا مرا عشقِ تو تعلیمِ سخن گفتن کرد
خلق را وردِ زبان مدحت و تحسینِ من است"

"حافظ شیرازی فرماتے ہیں کہ مجھے پہلے بات تک کرنی نہ آتی تھی لیکن تیرے عشق نے مجھکو سخن گو بنا دیا اور اب مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ہر کس و ناکس میری تعریف کرتا ہے"

"تو حضرت حافظ کا معلم عشق ہوا"

"ہاں عاشقوں کا راہِ عشق میں عشق ہی معلم ہوا کرتا ہے، ہاشم تم سنتے ہو یا اونگھ رہے ہو"

"نہیں تو حضرت، میں تو لفظِ معلم پر غور کر رہا ہوں"

"معلم کا مصدر علم ہے، معلم اسکا اسمِ فاعل ہے، معنی علم سکھانیوالا اخوند۔ اُستاد۔ ادیب۔ گرو۔ پاٹک۔ پنڈت۔ پانڈا۔ مُلا۔ منشی مُدرس۔ اتالیق وغیرہ"

"بہت خوب حضرت! بہت خوب!!"

"کیوں جعفر کیا بات ہے تم آج بالکل چپ ہو؟"

"میں چپ ہی اچھا ہوں جی! سکندر نامہ میں بھی یہی لکھا ہے کل ہی تو پڑھا تھا کہ

"سخن تا نہ پرسند لب بستہ دار
گہر نشکنی تیشہ آہستہ دار
نہ پرسیدہ ہر کو سخن یاد کرد
ہمہ گفتۂ خویش برباد کرد"

"بدتمیز! تجھے گفتگو کا بھی سلیقہ نہیں پھر عربی فارسی پڑھنے سے کیا فائدہ؟"

"تو اور کیا کروں جی!"

"نالائق! تجھکو یوں کہنا چاہیے تھا۔ سن! حضور والا عرض یہ ہے کہ کل سکندر نامہ کے سبق میں میں نے یہ اشعار پڑھے تھے۔ اس سے فدوی نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ انسان جو کچھ عقل و شعور کی باتیں سیکھتا ہے اس کا ذریعہ کان ہیں لیکن لبوں سے جو سخن نکلتا ہے اس سے دوسرے مستفید ہوتے ہیں، یاد رکھو الفاظ ہمیشہ فصیح و بلیغ ہونے چاہیں۔ خالد! اچھا بھئی پڑھو، ہاں! تم کیا پڑھ رہے تھے؟"

"جناب والا! کل اسی سکندر نامہ کے سبق میں وہ "ذوالقرنین" کی تشریح رہ گئی تھی، اسوقت مناسب سمجھیں تو اسے بھی واضح فرمادیں۔"

"ہاں سنو۔ ذوالقرنین اصل میں سکندر بادشاہ ہی کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ جس وقت سکندر بادشاہ پیدا ہوا تو مریخ اور مشتری یہ دونوں ستارے ایک ہی مقام پر تھے اور نجومیوں کے نزدیک ان دونوں

ستاروں کا پاس پاس ہونا قرن السعدین ہے۔ یعنی اُس وقت جو پیدا ہوگا وہ بڑا ہو کر بادشاہ ہوگا۔ چنانچہ سکندر بادشاہ ہوا۔ اچھا اب سنو قرن کے معنی سینگ کے ہیں اور ذو صیغہ تثنیہ ہے یعنی دو سینگ چونکہ سکندر بادشاہ کے تاج میں دو کلغیاں تھیں اسلئے عام لوگوں نے اس سے یہ حکایت وضع کرلی کہ سکندر کے سر پر دو سینگ تھے اور وہ دو سینگوں والا بادشاہ تھا۔ کیوں ہاشم کچھ سنا تم نے ؟"

"پیر و مرشد۔ میں بھی کچھ پوچھنا چاہتا ہوں"

"ہاں ہاں ضرور پوچھو"

"حضرت مجھے جناب سعدی علیہ رحمۃ اس شعر کی صحت میں کچھ شک ہے"

"وہ کون سا شعر ہے ؟"

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیر کمندے ہوا

حالِ ما کے ساتھ "ہستم" قواعد کے لحاظ سے کچھ غلط معلوم ہوتا ہے"

"یہ کیا گستاخی ہے تو اپنے آپ کو استاد سمجھتا ہے، ارے بدتمیز خطائے بزرگاں گرفتن خطا است، سنا نہیں۔

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہر چند کہ لا نبی بعدی
اوصاف و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

خبردار جو آیندہ استاد کے کلام میں کوئی غلطی نکالی"

"مکرم، مکرم، معظم، معظم"

"کیوں کیوں جعفر! خیر تو ہے"

"محترم حضرت قبلہ و کعبہ جناب استاد صاحب عرض پرواز ہوں کہ ایک اخگرِ ناہنجار مجمرِ آتش بار سے ناگہاں پرواز کر کے حضور پُر نور فیض گنجور کی دستارِ فضیلت آثار کے ایک گوشہ میں مخفی ہو کر اُسے جلانے اور خاکستر بنانے میں مصروف ہے۔"

"اُف اُف! لَاحَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہ کم بخت صرف اتنا کہہ دیا کہ دستار جل رہی ہے۔"

"واہ حضرت واہ! آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ آدمی کم بولے اور جب بولے تو بات معقول اور الفاظ فصیح و بلیغ ہونے چاہییں۔"

"(تمام طلبا) حضرت دستار اتار ڈالیے، پھینک دیجیے"

"ہاں ہاں اسے پھینک دیجیے"

"آپ کا سر تو نہیں جلا خیریت ہے"

"نہیں نہیں لے ہاتھ سے نہ بجھاتے دیجیے میں حوض میں ڈبولاؤں"

"ارے وہ مُلّا جی بند مٹی میں پانی لا رہے ہیں، لاؤ لاؤ جلدی لاؤ۔"

"لیجیے لیجیے یہ پانی لیجیے"

"افسوس! سے

"گر ہمیں مکتب و ہمیں طلبا
کارِ مُلّا تمام خواہد شد"

دلّی کی پتنگ بازی

رات کو جب اہلِ انار فضائے آسمانی میں
پہونچکر سنہری اور روپہلی پھول برساتے ہیں اور
فتنگے شہاب ثاقب بنکر ٹوٹتے اور تیر چھوڑتے
ہوئے نظر آتے ہیں تو ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ
آج ضرور شبِ برات ہے، اور دن کیوقت
چاروں طرف سے طرح طرح کی بے شمار چھوٹی
بڑی رنگین اور خوبصورت گڈیاں ہوا میں
رقص کر رہی ہوں تو فوراً معلوم ہوجاتا ہے
کہ آج عید ہے زمین اور آسمان دونوں تنگ
منا رہے ہیں۔

پتنگ بازی کے اس دلچسپ اور رنگین شوق
کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ پتنگ کا موجد کون تھا؟
شوق و تفریح کے علاوہ کون کون سی ضروریات
کے لئے دنیا میں پتنگ کا استعمال کیا گیا
قلعہ معلیٰ اور شہر کی پتنگ بازی کی کیفیت
قدیم و جدید پتنگوں کے نمونے، پتنگ بازی
کے دستور و قواعد، آپ کی تکمیلِ شوق کے
لئے جو کچھ جہاں سے مل سکا وہ یہاں
جمع کر دیا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے پڑھنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ پتنگ کو ایک شخص آرچی ٹاس ARCYTAS نے چار صدی قبل TARENTUM۔ ٹارنیٹم میں ایجاد کیا تھا لیکن ایشیا کے باشندوں نیز دوسری قدیم اقوام اور قبیلوں مثلاً نیوزی لینڈ کے قبیلہ موریس میں اسکا رواج نامعلوم مدت سے چلا آتا ہے، مشرقی ایشیا میں پتنگ بازی ہمیشہ ایک دلچسپ قومی مشغلہ اور تفریح رہی ہے۔ لیکن یورپ میں اسکا شوق بہت کم ہے۔

پتنگ بازی کی ابتدا کیونکر ہوئی یہ مسئلہ تو ہنوز تاریکی میں ہے لیکن عام طور پر اسے مذہب سے نسبت دی جاتی ہے۔ چنانچہ قبیلہ موریس میں اسے مذہبی حیثیت حاصل ہے، پتنگ کے چڑھانے کے ساتھ ساتھ پتنگ گیت یا بھجن بھی گائے جاتے ہیں۔ اہل کوریا اسکی وجہ ارتقا اپنے ایک جنرل سے منسوب کرتے ہیں۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ صدیوں قبل اس نے اپنی فوج کا دل بڑھانے اور اُن میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کے لئے پتنگ کے ساتھ ساتھ ایک قندیل اڑائی تھی، اس قندیل کو اسکی فوج اپنے خیال میں یہ سمجھا کہ شاید قدرت کی طرف سے یہ کوئی نیا ستارہ طلوع ہوا ہے اور اُن کے لئے فتح و نصرت کی بشارت لیکر آیا ہے۔ کوریا ہی کے ایک دوسرے جنرل کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے

پتنگ کو MECHANICAL ۔میکانیکل یعنی جرثقیل کی ضروریات کے لئے استعمال کیا اور اس کے ذریعہ ایک ندی کے پاٹ کو ناپ کر ایک پل تیار کرایا ۔الغرض کوریا جاپان اور چین بلکہ تمام ایشیا میں پتنگ بازی سے غایت درجہ شوق کا اظہار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ عام کاروباری لوگ اپنی دوکانداری کے وقت بھی پتنگ بازی میں مشغول نظر آتے ہیں۔اور ان کی ساری خرید و فروخت تھوڑی دیر کے لئے یونہی دھری رہ جاتی ہے۔

چینی اور جاپانی پتنگیں مختلف وضع قطع کی ہوتی ہیں کسی کی شکل پرندے کی ہے تو کسی کی اژدھے کی ،کوئی بالکل چوپایہ نظر آتی ہے تو کوئی مچھلی معلوم ہوتی ہے ۔اسی طرح ان کے سائزوں میں بھی فرق ہوتا ہے ،چھوٹے سے چھوٹے سائز سے لیکر سات سات فٹ تک طویل و عریض ہوتی ہیں ،انکے کانپ اور ٹھڈے معمولی بانس کے ہوتے ہیں اور چاول کے مہین کاغذ یا بہت باریک ریشم سے منڈھی جاتی ہیں۔

چین میں نویں مہینہ کا نواں دن "یوم پتنگ" کہلاتا ہے۔ اس روز چھوٹے بڑے تمام طبقوں کے ہزارہا آدمی اور لڑکے چھتوں ۔ٹیلوں اور میدانوں میں جا کر پتنگیں اڑاتے ہیں ۔

اہل ملایا نے بھی انواع و اقسام کی پتنگیں ایجاد کر رکھی ہیں جن میں کثرت ایسی پتنگوں کی ہے جو بغیر دم چھلے کے ہوتی ہیں

شکاگو میں SULTAN JOHORE سلطان جہور نے ایک دفعہ ۱۸۹۳ء میں CLUMBIAN کولمبین کی نمائش کے موقعہ پر پندرہ مختلف اقسام کی پتنگیں بھیجی تھیں ۔

ایشیا میں ایسی نغمہ ریز پتنگیں بھی بنتی ہیں جنکے دلکش نغمے کافی دور

نک سُنائی دیتے ہیں۔ یہ سریلی تانیں ہوا میں اڑتے وقت اُن سوراخوں سے نکلتی ہیں۔ جو پتنگ کے کانپ ٹھڈوں میں نہایت صنعت اور کاریگری سے کئے جاتے ہیں

بعض توہم پرست جو پتنگوں کی نسبت یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ خبیث روحوں کو ڈراتی اور اُنہیں دور رکھتی ہیں اپنے پتنگوں کو ساری ساری رات یونہی اڑتا ہوا رکھتے ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں پتنگ SCIENTIFIC۔ طبعی ضروریات کے لئے بھی استعمال کی جانے لگی چنانچہ ۱۷۵۲ء میں بنجامن فلینکلن BENJAMIN FLANCLIN نے اپنے قابل یادگار "پتنگی تجربہ" کی آزمائش کی۔ اس کے ذریعہ اُس نے ہوا سے بجلی کو پکڑا اور روشنی کی برقی خصوصیات کا مظاہرہ کیا۔ اسی طرح پتنگ کا ایک اور مفید طریقۂ استعمال سائنس کی ضروریات کے لئے انیسویں صدی کے آخری چوتھائی حصے میں منصۂ شہود پر آیا۔

METEOROLOGICAL USE حوادث سماوی کے لئے بھی پتنگ کا استعمال کیا گیا۔ چنانچہ بہت سی امریکن اور یورپین میٹرولوجیکل انجمنیں اب پتنگ کا باقاعدہ استعمال صرف موسمی حرارت معلوم کرنے کے لئے نہیں کرتیں بلکہ وہ اُس کے ذریعہ طوفان یا دریا ران کا پتا بھی لگا لیتی ہیں ان پتنگوں کو BOX KITES بوکس کائٹس کہتے ہیں L. HARGRAVE ایل ہارگریو ان کا موجد ہے۔

MILITARY USE۔ فوجی استعمال، پتنگ کے ذریعہ کوئی بھی چیز زیادہ سے زیادہ اوپر لیجانے کا ایک ایسا سہل طریقہ ملے گیا اُسکا استعمال فوجی

ضروریات کے لئے نہایت مناسب تجویز کیا گیا ہے۔ مثلاً دُور دراز فاصلہ پر پڑی ہوئی فوجوں کو کوئی اشارہ دینا، اُس کے ذریعہ جھنڈا اڑانا، یا مقررہ خاص نشانیوں کے مطابق ہدایات و احکام بھیجنا انہی پتنگوں کو بری و بحری فوج میں غنیم کی جائے محاصرہ تک تارپیڈو پہونچانے کے لئے بھی کام میں لایا گیا ہے۔ اور دو میل تک فاصلہ کے لئے کارآمد ثابت ہوئی ہیں۔

پتنگ کے ذریعہ فوٹو بھی نہایت آسانی سے لیا جا سکتا ہے، ایک پتنگ جس میں ایک کیمرہ بھی آویزاں ہو بقدرِ ضرورت ہوا میں اونچا اڑائیں جب اُس قلعہ یا مقام پر پہونچ جائے جس کا ایک مجمل نظارہ درکار ہے تو کیمرہ کا کھٹکا جو اپنے مقررہ وقت پر یا آہستہ آہستہ یا بجلی کے ذریعہ باربار کھلتا اور بند ہوتا ہو دبا دیا جائے۔ انگلستان اور امریکہ میں اس کے ذریعہ بہت سے کامیاب فوٹو حاصل کئے گئے ہیں۔

طبی نقطۂ نظر سے بھی پتنگ بازی آنکھوں کے لئے فائدہ مند ہے، اس کی وجہ سے بینائی میں اضافہ ہوتا ہے اور نظر تیز ہوتی ہے۔

دُنیا کی پتنگ بازی کے متعلق آپ کو تھوڑا بہت علم ہو گیا، آیئے اب اپنی دلّی کی پتنگ بازی کے متعلق کچھ معلوم کریں

دلّی کی پتنگ بازی کا خیال آتے ہی خدابخشے مرزا چپاتی کو وہ فوراً یاد آجاتے ہیں، اچھے اچھے اُستاد اُن کی کانپ اور ٹھڈے کے قائل تھے اور ایمان کی بات یہ ہے کہ وہ چھیلتے اور بناتے بھی غضب کی تھے اور پھر خالی کانپ اور ٹھڈا ہی نہیں سادی ڈور پر مانجھا بھی وہ چڑھاتے اور ایسی صفائی سے اُس کو سوتتے کہ رہے نام سائیں کا۔ مانجھا عام طور پر ذرا اچھا پسا ہوا شیشہ، گیرو اور چاول ملا کر تیار کیا جاتا ہے لیکن ہمارے مرزا چپاتی

اپنا مانجھا تیار کرتے وقت نہ معلوم اُس میں کون سے ہیرے کی کنی ملاتے تھے کہ اُس کے ایک دو ہی ہاتھ سوتنے پر ڈور میں بلا کی تیزی اور بُرائی آ جاتی تھی۔ ہمیشہ ادھا اڑاتے اور جو گڈی ہاتھ میں لیتے اُسے نوشیرواں اتارتے نوشیرواں پتنگ بازوں کی اصطلاح میں اُس گڈی کو کہتے ہیں جو نو پتنگ کاٹ کر صحیح سلامت اُتر آئے۔ آخر عمر میں جب نظر کمزور ہو گئی تو شاگردوں سے اڑواتے اور خود داؤں پیچ بتاتے جاتے۔ دلی اور لکھنؤ میں آج تک اُن کا شہرہ ہے۔

پتنگ بازی کے ضمن میں مرزا چپاتی کا ذکر آ گیا ہے تو اب جی چاہتا ہے کہ اس صاحب فن اور یگانۂ روزگار بوڑھے کی چند اور خوبیاں بھی بیان کی جائیں مرزا چپاتی کا اصل نام فخرالدین عالم تھا، پھر مرزا فخرو ہوتے اور اس کے بعد مرزا چپاتی کہلانے لگے، قلعہ والے صرف عالم کہا کرتے تھے والد کا نام رحیم الدین عالم، شاہ عالم کے پڑپوتے، اپنے زمانۂ شباب میں شاہی لنگر خانے کے داروغہ تھے۔

بادشاہ کی طرف سے دلی میں اولیاء اللہ کے مزاروں پر اُن کے سالانہ عرس میں چپاتیاں تقسیم کیا کرتے تھے اس لئے لوگوں میں مرزا چپاتی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ غدر کی بھاگڑ میں لال حویلی سے نکلے، جان بچانے کے لئے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تیرتے تیرتے دہلی سے آگرے پہونچے پھر واپس دہلی آئے، پہلے قدم شریف گئے اس کے بعد نظام الدین اولیاء جا کر پناہ لی نہ معلوم کیا کیا مصیبتیں جھیلیں اور صعوبتیں اٹھائیں، حیات مستعار باقی تھی بچ گئے۔ غدر میں جو کچھ اُن پر گذری اور بیتی وہ کسی کو نہ سناتے لیکن جب لوگ ضرورت سے زیادہ اصرار کرتے تو مجبوراً انہیں اپنا دکھڑا

سنانا پڑتا۔ سناتے سناتے اُن کا جی بھر آتا اور غمزدہ آنکھیں پکے پھوڑے کی طرح پھوٹ بہتیں، سننے والوں کا دل بھی بے قابو ہو جاتا اور بے اختیار آنسو بہنے لگتے"۔ اور جونہی بہادر شاہ کا ذکر آتا مرزا جی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے یہاں تک کہ ہچکی بندھ جاتی اور بہت دیر بعد جاکر سنبھلتے۔

راقم الحروف نے جو وقت انہیں دیکھا تھا اُن کی عمر سنو کے لگ بھگ ہو گی بڑھاپے کے باعث بال سفید بگلا، اور کمر بالکل دوہری ہو چکی تھی تو تلے ہونے کے ساتھ ساتھ بہرے بھی غضب کے تھے جب تک گلا پھاڑ کر نہ بولو انہیں کچھ سنائی نہ دیتا۔ سر پر پٹے تھے، چوڑا چکلا چہرہ۔ گورا رنگ لمبا قد، ستواں ناک۔ بڑی بڑی سرخ مخمور آنکھیں، چوڑی چوڑی کلائیاں موٹی موٹی لمبی انگلیاں، ابھری ہوئی رگیں۔ اَن پڑھ لیکن اعلیٰ درجے کے فی البدیہہ شاعر، فن سپہ گری کے ماہر، شاطر ایسے کہ دعوے کے ساتھ چوتھی چال میں مات، شطرنج کے علاوہ چوسر۔ گنجفہ۔ پچیسی کے بہترین کھلاڑی کبوتر اڑانے اور مرغے لڑانے میں لاثانی، نہایت عمدہ تیراک۔ بلا کے ظریف اور حاضر جواب، جامع مسجد کے جنوبی دروازے کے نیچے جو راستہ مٹیا محل اور چتلی قبر کی طرف جاتا ہے، اس بازار کے شروع میں بہت قدیم سے کھنیا نامی ایک ہندو بھڑ بونجے کی دوکان ہے، بڈھا کھنیا تو مر گیا لیکن وہ اپنے جیتے جی دمڑی دمڑی، دھیلے دھیلے اور پیسے پیسے کے، چنے، امر کے مکئی اور ستو بیچ کر اور انہیں جوڑ جوڑ کر ایک عمارت کھڑی کر گیا۔ اسی بھڑ بونجے کی دوکان کے برابر مرزا جیاقی کی دوکان تھی، رہتے بھی اسی میں تھے لیکن افسوس ستمبر ۱۹۳۳ء میں وہ بھی اپنی دوکان ہمیشہ کے لئے بڑھا گئے۔ فغان دہلی کے نام سے غدر کے حالات وواقعات کو نظم کر کے مرزا جی نے ایک کتاب شائع

کی تھی لیکن گورنمنٹ نے اپنی مصلحتوں کی بنا پر اسکو ضبط کر لیا اور اب اُس کتاب کی بجائے اُن کے یہ مختصر سے حالات انکی یادگار ہیں۔

قلعہ والوں کی پتنگ بازی سلیم گڈھ پر ہوا کرتی تھی سلیم گڈھ لال قلعہ کے شمال میں بائیں کونے پر واقع ہے جہاں قلعہ کی عمارات کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، اسے اسلام شاہ نے ۹۵۳ ہجری میں بنایا تھا، شاہانِ تیموریہ اس کو نور گڈھ کہتے ہیں۔ جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں شمال کی جانب ایک پُل بنا اور اس کا دروازہ لال قلعہ کی طرف بنایا گیا۔ جب میر عمارت شہنشاہ شاہجہاں نے لال قلعہ تعمیر کیا تو یہ پُل اس قلعہ میں ایسا مل گیا گویا وہ اسی قلعہ کے لئے بنایا گیا تھا۔ اب اوپر سے قلعہ کی فصیل توڑ کر ریل نکالی گئی ہے جو جمنا کے آہنی پُل سے گذرتی اور سلیم گڈھ اور لال قلعہ کے شمالی گوشے پر ہوتی ہوئی دہلی ریلوے اسٹیشن کو چلی جاتی ہے۔

اب پتنگ بازی کی کیفیت ملاحظہ ہو، جہاں عصر کا وقت ہوا، بڑے بڑے نامی گرامی استاد اور ماہر پتنگ باز طرح طرح کے پتنگ، ڈور کے بڑے بڑے پنڈے خوشنما گولے، غلاف دار چرخیاں، ٹھاڈیاں اور نیچکے جن پر کنکووں اور تکلوں کے زور کے مطابق دو تلی۔ تبلی۔ چوتی۔ مانجھے دار ڈور چڑھی ہوئی ہوتی لیکر سلیم گڈھ جا پہونچتے۔ بادشاہ سلامت تخت رواں میں تشریف لاتے، ایک طرف بادشاہی پتنگ باز ہوتے اور دوسری طرف معین الملک نظارت خاں بادشاہی ناظر اور ان کے کھلاڑی دونوں میں مقابلہ ہوتا سامنے دریا کی ریتی میں دو دو رتھ سوار آنکڑے دار لکڑیاں لیکر کھڑے ہو جاتے۔ دونوں طرف سے انگارہ۔ الفتی۔ تکل۔ دو بازہ۔ دو بلکا۔ دو پنّا۔ کلدمہ۔ کل سرا

کانڑا۔ بگلا۔ کلیجہ جلی۔ کل چڑی۔ سر کھلی۔ کندے کھلی۔ ادھ رنگ پری، مانگ دار۔ زلفوں دار۔ جنیو دار پریوں دار اور طرح طرح کی نہایت شوخ اور خوش رنگ پتنگیں دریا کی طرف ہوا میں بڑھتیں اور فضا میں ہر طرف تیرنے لگتیں، تھوڑی دیر میں سارا آسمان پتنگوں سے معمور اور رنگین ہو جاتا۔ اب پیچ لڑنے شروع ہوتے۔ نیچے کا پیچ ہوا تو ایک نے اگر اپنے پتنگ کو جھول میں گھسانا شروع کیا تو دوسرا اوپر سے قط کے منہ اتارنے لگا۔ یہاں تک کہ دونوں کی ڈوریں آپس میں مل گئیں، موقعہ ملا تو کسی ایک نے پیچ نکال لیا ورنہ وہ پھر اتنا لمبا چلا کہ بے پناہ ڈھیلیں چلیں۔ پتنگ ڈوبتے ڈوبتے آسمان سے جا لگے، پیٹا اسقدر چھوڑا کہ ڈور زمین کو چھونے لگی۔ فوراً سواروں نے اپنی آنکڑے دار لکڑی سے ڈور کو اوپر اٹھایا اور اسوقت تک سہارا دیتے رہے جب تک کہ پیچ ختم نہ ہو گیا۔ بالآخر دونوں میں سے کسی ایک کا پتنگ کٹ جاتا اور فوراً واہ واہ کا ایک شور فضا میں گونج اٹھتا کٹا ہوا پتنگ ہوا کے جھونکے اور تھپیڑے کھاتا اور ایک دلربا انداز میں جابجا ڈگمگاتا، لڑکھڑاتا، جھومتا جھامتا دریا کے پار رجا گرتا، سوار وہاں سے اسکو اٹھا لاتے یا جس کے ہاتھ لگتا وہ لے جاتا۔

بادشاہ سلامت برابر دیکھتے رہتے، اگر جی چاہتا تو تخت رواں سے اتر کر اشارہ مرحمت ہوتا فوراً ایک پتنگ باز آگے بڑھتا اور مچھلی کے چھلکوں کے دستانے ہاتھوں میں پہناتا، بادشاہ سلامت قدآدم تکل ہاتھ میں لیتے، اکثر چوبلی ڈور ہوا اور بعض اوقات لوہے کے تار پر اڑاتے، شاہی پتنگ ذرا کی ذرا میں مثل شاہباز تن تن کر ہوا سے باتیں کرنے لگتا اور اسقدر اونچا چڑھتا کہ رفعت میں چرخ کا ستارہ معلوم ہوتا، نظر بازوں کا پیک

نظر بھی بمشکل وہاں تک پہونچتا۔ ایک شاعر کے بقول ؎

اس شوخ نے بڑھا کے شفق سے ملا دیا
جس دن قریب شام اڑایا پتنگ سرخ

بادشاہی حریفوں اور صیدلیوں میں مرزا یاور بخت شہزادے بادشاہ سلامت سے پیچ لڑاتے دلی میں مرزا یاور سے بڑھکر کوئی دوسرا پتنگ نہیں لڑا سکتا تھا۔ شاذ و نادر ہی اُن کا پتنگ کٹتا تھا اور پیچ سے پہلے ایسا سُدھ رہتا جیسے وہ آسمان پر جا کر چپک گیا ہو مرزا چپاتی کی طرح مرزا یاور بھی اپنی ڈور اور پتنگ اپنے آپ تیار کرتے تھے غدر کے بعد بھی مرزا یاور کا یہ شوق جاری رہا اور اُنکی شہرت میں ذرہ کوئی فرق نہ آیا۔

یہ تو تھی قلعہ والوں کی پتنگ بازی، شہر کے مشہور اور نامور پتنگ باز جمعہ کے جمعہ ظہر کی نماز کے بعد مسجد گھٹا کے باہر جمنا کے ریتیلے میدان میں جمع ہوتے بالخصوص شب برات عید اور بقر عید کے لئے بہت پہلے سے تیاریاں ہوتیں۔ کئی کئی درجن انگریزی مولٹے ریل کی ڈور پر زرد سُرخ۔ سبز۔ کاہی۔ مانجھا سوت کر بڑی بڑی چرخیوں پہ چڑھایا جاتا۔ گڈیوں میں۔ آلفی۔ تکل۔ پونا۔ ادھا۔ بھیڑیا۔ چرا۔ چیپ۔ پری شکر پارہ۔ چاند تارا۔ پٹیل۔ نعل دار۔ گنڈیری دار طرح یہ طرح اور رنگ برنگ کی گڈیاں تیار کی جاتیں۔ آپس میں پتنگ بازی کے ٹاکے گھے، دن اور وقت مقرر کیا جاتا۔ ڈیرے تنخواہ ریشا میانے تنتے، پانی کا انتظام ہوتا، دونوں فریق پورے اہتمام سے پہونچتے۔ زور شور سے پتنگ بازی ہوتی، شہر کی خلقت بھی یہ تماشا دیکھنے اُن کے ساتھ جاتی جو پتنگ

نوشیرواں اترتا اسکو مکانوں اور دوکانوں میں بڑی حفاظت سے بطور یادگار رکھا جاتا۔

شہر کی عام پتنگ بازی کا مظاہرہ سال کے سال یا تو مہرولی میں پھول والوں کی سیر کے موقعہ پر ہوتا جب ساری دِلّی خالی اور مہرولی شہر والوں سے آباد ہوتی امرلیوں میں عورتیں جھولا جھولتیں، ملہار گاتیں، پینگیں بڑھاتے، شاہی جھرنے اور شمسی تالاب میں تیراکی کے فن دکھاتے آپس میں کشتیاں ہوتیں۔ پٹے بازی کے اکھاڑے جمتے، نٹ اور مداری مختلف کھیل اور تماشے دکھاتے۔ ڈنڈے والوں کی سنگتوں میں لال سبز ڈنڈے والوں کی خوب کھٹا کھٹ چلتی۔ رقص و سرود کی محفلیں قائم ہوتیں طبلہ، سارنگی اور طنبورے کھڑکتے، گھنگرو بجتے، چھم چھم ناچ ہوتا مکانات آئینہ اور مینا بازار سچ مچ مینا نظر آتا۔ سودے والوں کی سُریلی آوازیں پنکھوں کی بہار۔ کٹوروں کی جھنکار۔ ساقی کی پکار۔ نوبت اور نقاروں کی دھوں دھوں سے دِلّی والوں کا دل مست اور سرشار ہوتا اسوقت نوعمر لڑکے اور منچلے جوان اپنی پتنگ بازی میں مصروف ہوتے، جس طرف نگاہ ڈالو گڈیاں ہی گڈیاں اڑتی نظر آتیں شاید اتنی تعداد میں چیلیں اور کوے بھی آسمان پر نہ ہوتے ہوں گے۔ کوئی اپنا پتنگ بڑھاتا، کوئی ٹھمکیاں لگاتا، کسیکا چکراتا۔ کسیکا کنیاتا، کسی کی دال چپو ہوتی، کوئی ڈھیل دیتا، کوئی کھینچ کرتا کوئی اچم کرتا، کسی کا ٹھنکی لگ کرتے پر سے اکھڑتا کسی کا پتنگ کٹتا کوئی دھیری اور پیری پکارتا یا پھر ہر چھٹے چھینے سترہویں شریف کے موقعہ پر نظام الدین کی باولی اور ہمایوں کے مقبرے یہی سماں نظر آتا۔

شب برات اور عید بقرعید کے تہواروں پر کوئی محلہ اور گلی کوچہ ایسا نہ ہوتا جہاں لڑکے بالے، شرارت کے پتلے آفت کے پرکالے، چھوٹے چھوٹے کنکوّے پن پچھالے، تخمیں، دوڑ چیل، دھیلچیل، پیل گڈیاں اپنی اور پرائی چھتوں پر نہ اڑاتے ہوں اور گڈیاں اڑانے اور لوٹنے کے درمیان وہ اونچی اور نیچی محفوظ و غیر محفوظ چھتوں پر دوڑتے دھمال کرتے چیختے چلاتے اور ایک دوسرے پر آوازے اور فقرے نہ کستے ہوں۔ یہ پتنگ بازی اور دھوم دھڑکا گھروں ہی پر نہیں ہوتی بلکہ اوکھلے۔ روشن آرا اور محل دار خاں باغ جہاں عید کے دوسرے دن شہر کا میلہ ہوتا ہے یہیں بھی یہی ہنگامہ برپا رہتا ہے۔

غرض جاڑا ہو یا گرمی، تیج تہوار ہوں یا میلے ٹھیلے دلّی والوں کی پتنگ بازی کسی دن ناغہ نہیں ہوتی اور اس میں ایک بڑے مزے کی بات یہ ہے کہ خالی پتنگ بازی ہی نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ڈور کو رشتۂ الفت بنا کر عشق و محبت کے ڈورے بھی ڈالے جاتے ہیں۔ سحر کا ایک شعر ہے۔ ؎

لڑ چکیں آنکھیں اب اُس قاتل سے لڑتا ہی پتنگ
ڈور کی فرمائشیں ہیں یہ بھی سب پر ڈور ہے

اور جب عاشق و محبوب کا دل اس ریشمی ڈور کی گتھیوں میں الجھ جاتا اور نکالے نہیں نکلتا تو یہی ڈور اور پتنگ تار برقی سے بڑھکر اپنا کام دکھاتے ہیں محبت کے نامہ و پیام اس طرح آتے اور جاتے ہیں کہ کسیکو کانوں کان خبر نہیں ہوتی ؎

خود بخود دل کو پہونچتی ہے خبر محبوب کی
تار برقی پر بھی یہ الفت کا رشتہ ڈور ہے

پھر تو عشق و محبت کے اِن متوالوں کی حضرت ناسخ کے بقول ؎

دے اُسی کا کوٹ کر مانجھا تو اپنی ڈور کو
شیشۂ دل میرے پہلو میں جو چکنا چور ہے

یہ حالت ہوتی ہے کہ شیشۂ دل کو کوٹ کوٹ کر عشق کی ڈور پر مانجھا چڑھایا جاتا ہے اور بلا ناغہ محبت کے پیچ لڑائے جاتے ہیں لیکن ایسے پیچ جو کبھی کٹنے کا نام نہیں لیتے، غالب مرحوم جن کو بچپن میں پتنگ اڑانے کا بہت شوق تھا اور اکبر آباد میں اُن کی پتنگ بازی کا شہرہ کا بھی تھا شاید اپنے وقت میں ایسے ہی پیچ لڑا چکے ہیں۔ فارسی میں کسی کا ایک شعر ہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

مرزا غالب نے پتنگ کے تلازمے میں اس شعر پر بطور ترکیب بند چند شعر لکھے تھے جنکو منشی صفدر علی صاحب صفدر مرزا پوری نے اپنی تالیف لطیف موسوم بہ "حسنِ خیال" میں نقل کیا ہے اور ترکیب بند کے ثبوت میں مندرجہ ذیل سند پیش کی ہے۔

"حضرت زاہد کے جدِ مرحوم حاجی و زائر سید اکبر علی صاحب بلیغ ابوظفر شاہ آخر دہلی کے معتمد وکیل تھے اور شاہ کی پنشن کا مقدمہ جو کمپنی سے لڑا اُس میں اول سے آخر تک وکیل شاہی کی حیثیت سے اُس زمانے میں برابر اکبر آباد میں عدالت العالیہ ہونے کی وجہ سے آتے جاتے رہتے تھے، خود بھی ذی علم اور اچھے شاعر تھے اُنکی بیاض میں یہ ترکیب بند لکھا ہوا ملا جو دلدادگانِ غالب کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے، اگرچہ

بچپن کی زبان ہے،،

ترکیب بند

ایک دن مثلِ پتنگِ کاغذی
لیکے دل سر رشتۂ آزادگی
خود بخود کچھ ہم سے کنیانے لگا
اس قدر بگڑا کہ سر کھانے لگا
میں نے کہا اے دل ہوائے دلبراں
بسکہ تیرے حق میں کہتی ہے زباں
پیچ میں اِن کے نہ آنا زینہار
یہ نہیں ہیں گے کسو کے یارِ غار
گورے پنڈے پر نہ کر اِن کے نظر
کھینچ لیتے ہیں یہ ڈورے ڈال کر
اب تو مِل جائے گی تیری اِنسے سانٹھ
لیکن آخر کو پڑے گی ایسی گانٹھ
سخت مشکل ہوگا سُلجھانا تجھے
قہر ہے دل اِن سے اُلجھانا تجھے
یہ جو محفل میں بڑھاتے ہیں تجھے
بھول مت اس پہ اڑاتے ہیں تجھے
ایک دن تجھکو لڑا دیں گے کہیں
مفت میں ناحق کٹا دیں گے کہیں

اِس سے ہوسکتا ہے کہ اس گئے گذرے زمانے میں بھی جگہ جگہ بڑے بڑے پتنگ بازوں کی مختلف کائیٹ کلبز (پتنگ بازوں کی انجمنیں اور مجلسیں) قائم ہیں اور سب نے آپس میں ملکر پتنگ بازی کے متعلق اپنے دستور و قواعد مقرر کر رکھے ہیں۔ یہ دستور و قواعد آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۱۵ء میں وضع کئے گئے تھے اور باقاعدہ مطبوعہ شکل میں شائع ہوئے تھے (جو تمام دکمال اس مضمون کے آخر میں درج ہیں) چنانچہ اُسی دستور کے مطابق آجتک عمل درآمد ہوتا ہے اور ہار جیت تسلیم کی جاتی ہے۔

۱۹۱۵ء میں دِلّی کے پتنگ بازوں کی حسبِ ذیل انجمنیں قائم تھیں:۔

(۱) امپیریل کائٹ کلب دہلی۔

اسکے بانی نواب اعجاز حسین اور سکریٹری سراج احمد تھے حاجی عبد الستار مرحوم اس کلب کے چوٹی کے پیچ لڑانے والوں میں تھے۔

(۲) وزیریہ کائٹ کلب دہلی۔

اِس کے سکریٹری سید محمد قاسم صاحب زیبا تھے اور مرزا محبوب بیگ صاحب مالک محبوب المطابع دہلی جو حیات ہیں۔ اُن کا شمار اس کلب کے بہترین پتنگ بازوں میں ہوتا تھا۔

(۳) رنگین کائٹ کلب دہلی۔

اس کے بانی مبانی ہماری دِلّی کے مستند و محبوب شاعر حضرت سائل دہلوی ہیں۔ سائل صاحب لالہ رنگی لال کو جو دِلّی کے مشہور سوداگر حاجی علی جان والوں سے پیچ لڑایا کرتے تھے بہت مانتے تھے انہی کے اثر سے انہوں نے یہ کلب قایم کی اس کے سکریٹری اعجاز حسین تھے

(۴) مسکین کائٹ کلب دہلی۔

یہ رنگین کائٹ کلب کا جواب تھی اس کے بانی عبدالستار مرحوم، ممبر امپیریل کائٹ کلب دہلی کے بھائی حاجی عبدالوہاب تھے۔ عبدالوہاب ابھی زندہ ہیں لیکن پتنگ بازی کو ایک مدت ہوئی خیرباد کہہ چکے ایک زمانہ تھا کہ اسی پتنگ بازی کے شوق میں دس بارہ ہزار روپیہ خرچ کر ڈالا پتنگ لڑانے کا انداز یہ تھا کہ دس دس پندرہ پندرہ استادوں کے مقابلے میں تن تنہا خود کھڑے ہو کر پیچ لڑایا کرتے تھے۔ اگرچہ اُن کے پیچ بھی کافی کٹتے تھے لیکن آخر میں کامیابی کا سہرا انہی کے سر پر بندھتا۔ میرٹھ کے مشہور رئیس سردار بہادر کی معرفت حاجی دہاج الدین مراد آبادی جو پتنگ بازی کے جرنیل کہلاتے تھے دو مرتبہ مقابلہ ہوا ان کے بڑے بڑے ادھوں کو ایک معمولی مپیل گڈی سے اِس طرح کاٹا کہ نوشیرواں اتارا، دوبارہ پھیر پیچ ہوئے پھر ہرایا۔ رامپور میں چھٹن خاں سے بازی جیتی۔ لکھنؤ میں یوسف حسین مرحوم رئیس لکھنؤ نے پتنگ بازی کی دعوت دی، پیارے میاں، نواب کلن اور بالخصوص نواب سلطان سے دو دن تک لگاتار ہاتھ رہے۔ لوگوں نے اِن کے ہاتھوں پر سینکڑوں روپے کی شرطیں لگائیں لیکن میاں عبدالوہاب لکھنؤ والوں کے پتنگ کاٹ کوٹ، ہاتھ جھاڑ جھوڑ مونچھوں پہ تاؤ دیتے، اکڑتے دِلّی چلے آئے۔ دِلّی کی وہ لاج اور عزت رکھی جو رکھنے کا حق تھا۔

آجکل مندرجہ ذیل کلبز موجود ہیں:۔

(۱) مہذب کائٹ کلب بلّی ماران دہلی؛ اس کے بانی حکیم اشفاق احمد عرف حکیم عشو میاں ہیں۔ یہ کلب آجکل تمام کلبوں کی سرتاج ہے کیونکہ حکیم عشو میاں دِلّی کے ہر کلب کی جہاں تک اُن سے بن پڑتا ہے سرپرستی اور اعانت فرماتے رہتے ہیں۔ عبداللہ ٹال والے ساکن سوئی والان اور رسید

مجید عالم خلیفہ ولی۔ برکت اللہ صاحب وزیر علی صاحب اس کلب کے بہترین پیچ لڑانے والوں میں ہیں۔

(۲) ریاضیہ کائٹ کلب سوئیوالان دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز وزیر علی ہیں۔

(۳) گولڈن کائٹ کلب پہاڑ گنج دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز عنایت الرحمن ہیں۔

(۴) خوشنما کائٹ کلب بلّیماران دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز محمد اسحٰق ہیں۔

(۵) اسٹار کائٹ کلب، فراشخانہ دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز اسلام الدین عرف کاکوان ہیں۔

(۶) حمیدیہ کائٹ کلب صدر بازار دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز حمید مرحوم شیشے والے تھے آجکل میاں عزیز کی بہت شہرت ہے۔

(۷) ینگ مین کائٹ کلب، کوچہ پنڈت دہلی۔

اس کلب کے مشہور پتنگ باز احمد چاندی والے اور محمد میر صاحبان ہیں

دستور و قواعد پتنگ بازی

۱۔ میچ ہمیشہ بیرونِ شہر میدان میں ہو گا۔

۲۔ میچ بالعموم اتوار کے دن ہو گا۔ لیکن خاص صورتوں میں حسبِ مرضی فریقین کوئی اور دن بھی مقرر ہو سکتا ہے۔

۳۔ ماہ مئی، ماہ جون، ماہ رمضان، ایام عیدین اور یکم محرم سے بیسویں صفر تک پیچ نہیں لڑائے جائیں گے۔

۴۔ ایک فریق کے سو پیچ کٹ جانے یا کاٹ دینے کا نام ایک میچ ہو گا

۵۔ میچ میں پیچ لڑانے کیلئے دو مقامات کا درمیانی فاصلہ ۲۲۵ فٹ ہو گا

۶۔ پیچ لڑانے والے کے لئے طول میں دس گز اور عرض میں ۵ گز جگہ قرار دی جائے گی۔ جس کی حد بندی خواہ فرش سے ہو خواہ کسی نشان یا خط سے، اور اسی محدود جگہ کا نام "کریز" ہو گا۔

۷۔ پیچوں کے شمار کے لئے ہر فریق کی طرف سے ایک سکورر مقرر ہو گا۔

۸۔ ہر میچ میں تین امپائر ہونگے، دو سائڈ امپائر اور ایک فرنٹ امپائر تینوں امپائروں کے پاس ایک ایک سیٹی ہو گی۔ دونوں کریز امپائروں کے پاس ایک ایک جھنڈی سرخ اور ایک ایک سبز ہو گی۔ فرنٹ امپائر کے پاس تین جھنڈیاں ہونگی۔ ایک سرخ، ایک سبز، ایک زرد۔

۹۔ سائڈ امپائر فریقین کے ممبران میں سے ہو سکتے ہیں لیکن فرنٹ امپائر کا تقرر ہر دو فریق کی رضامندی سے ہو گا اگر فرنٹ امپائری کے لئے ایک فریق ایک شخص کو اور دوسرا فریق دوسرے شخص کو پیش کرے تو فیصلہ بذریعہ قرعہ اندازی ہو گا۔

۱۰۔ اگر ضرورت ہو تو فرنٹ امپائر۔ میچ میں تین گھنٹے کام کرنے کے بعد بدلا بھی جا سکتا ہے۔

۱۱۔ دونوں سائڈ امپائر۔ سبز جھنڈی دکھا کر پیچ لڑانے کے لئے فریقین کی آمادگی فرنٹ امپائر سے دریافت کریں گے۔ اگر فرنٹ امپائر نے جواب میں اپنی سبز جھنڈی دکھا دی تو اسکے یہ معنی ہوں گے کہ پیچ لڑایا جائے۔ بغیر اسکے کوئی شخص پیچ لڑانے کا مجاز نہ ہوگا۔

۱۲۔ اگر سائڈ امپائر سُرخ جھنڈی دکھائے تو اسکے یہ معنی ہوں گے کہ پیچ لڑانے والا ابھی پیچ لڑانے کے لئے تیار نہیں ہے۔

۱۳۔ اگر فرنٹ امپائر زرد جھنڈی ہلائے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ وہ پیچ لڑانے والے کا نام دریافت کرنا چاہتا ہے۔

۱۴۔ اگر کوئی پیچ لڑانے والا پیچ لڑاتے وقت کریز سے باہر نکل جائے تو اسکا پتنگ کٹا ہوا شمار کیا جائیگا۔ پیچ لڑانے کا وقت وہ سمجھا جائیگا جبکہ فرنٹ امپائر سبز جھنڈی سے ہر دو فریق کو مطلع کر چکا ہو کہ پیچ لڑاؤ اور اُس وقت تک کہ پیچ کا نتیجہ بر آمد ہو۔

۱۵۔ اگر کوئی پیچ لڑانے والا۔ پیچ لڑاتے وقت کریز سے باہر نکل جائے تو سائڈ امپائر کو لازم ہے کہ سبز اور سرخ دونوں جھنڈیاں بلند کر کے ہلاتے اور سیٹی بجا کر اسکورر کو مطلع کر دے۔

۱۶۔ ایک میچ میں ابتدا سے انتہا تک ایک فریق کے زیادہ سے زیادہ بارہ آدمی پیچ لڑا سکتے ہیں خواہ میچ کتنے ہی دنوں میں ختم ہو۔

۱۷۔ کریز میں صرف پیچ لڑانے والا اور ایک چرخی پکڑنے والا ہوگا اگر کوئی ضرورت ہو تو ایک شخص اور ٹھہرا ہو سکتا ہے اس سے زیادہ آدمیوں کو کریز میں آنے کی اجازت نہ ہوگی

جس وقت تک کہ پیچ لڑ رہا ہو۔

۱۸۔ میچ میں فریقین کی جانب سے کوئی شخص پیچ نہیں لڑا سکتا تاوقتیکہ وہ دلی والا نہ ہو، یا غیر دہلوی ہونیکی صورت میں فریق ثانی کی منظوری نہ لیلی ہو

۱۹۔ میچ میں چھوٹی سے چھوٹی بائیس ۲۲ انچ کی گڈی سے لیکر ۱ ھے اور پونے تک اڑائی جائیگی لیکن دونوں فریقوں کی رضامندی سے بیبیل گڈی بھی لڑ سکتی ہے۔

۲۰۔ میچ کی اجازت کے بعد اگر کسی کی گڈی ٹوٹ جائے یا پھٹ جائے یا کسی طرح بھی تلف ہوجائے تو وہ کٹا ہوا پیچ قرار دیا جائیگا۔

۲۱۔ جو پیچ فرنٹ امپائر کی دانست میں ضرورت سے زیادہ دُور ہوجائے اور نظروں سے اوجھل ثابت ہو تو وہ اُس پیچ کو سُرخ جھنڈی دکھا کر ملتوی کرسکتا ہے۔

۲۲۔ اگر پیچ کی اجازت کے بعد زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ کے اندر پیچ نہ لڑایا جائے تو فرنٹ امپائر کو لازم ہوگا کہ اُس پیچ کو ملتوی کردے اور فریقین سے دوسرے دو آدمی پیچ لڑانے پر مامور کردے۔

۲۳۔ پیچ کی اجازت کے بعد کسی فریق کے پتنگ لڑانے والے کو اگر اپنے پتنگ کے لئے کسی اوپر کی ٹوٹی ہوئی گڈی سے یا گِدوں وغیرہ سے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ سائڈ امپائر کو مطلع کرکے اپنا پیچ ملتوی کرا سکتا ہے۔

۲۴۔ جو گڈی نوشیرواں ہوجائے اسکی تحریری تصدیق فرنٹ امپائر کریگا۔

۲۵۔ سوت کی ڈور کے سوا تار یا تانت فریقین میں سے کوئی شخص بھی پیچ لڑانے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا اگر کسی نے ایسا کیا تو تانت یا تار سے کاٹے ہوئے پیچ سوخت ہوجائیں گے۔ اور بطور جرمانہ پانچ پیچ دینے ہوں گے، سائڈ امپائر

تو جس شخص کی ڈور پر تار یا نخ ہونے کا شبہ ہو تو وہ اُس کی ڈور کو دیکھکر اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

۲۶۔ دورانِ پیچ میں اگر ہوا کا رخ بدل جائے اور کسی فریق کا ہاتھ دب جائے یا پورا دکھاؤ نہ رہے تو اُس فریق کو اختیار ہو گا کہ فریقِ ثانی کو اطلاع دے کر اپنے لئے کوئی دوسری جگہ تجویز کرائے۔ لیکن اگر فریقِ ثانی اس بات سے مانع ہو تو ضروری ہو گا کہ اپنی جگہ شکایت کرنیوالے فریق کو دیدے اور خود اسکی جگہ کھڑے ہو کر پیچ لڑائے

۲۷۔ جس فریق کا پیچ کٹ جائے اسکو لازم ہے کہ فریقِ غالب کو ایک تصدیقی ٹکٹ دے۔

۲۸۔ میچ ختم ہونیکے بعد فریقِ غالب تمام تصدیقی ٹکٹ واپس کر دیگا اور فریقِ مغلوب کو فریقِ غالب کی سکورنگ بک پر پیچوں کی زیادتی کی تصدیق ثبت کر کے اپنی کلب کے کپتان یا کسی دوسرے عہدہ دار سے دستخط کرانے ہوں گے۔

۲۹۔ اگر کوئی ممبر کسی دوسرے ممبر کی نسبت کوئی اہانت آمیز کلمہ میدانِ میچ میں کہیگا۔ تو اُس کلب کے کپتان کو اسے سزا دینی اور اُس سے معافی منگوانی مناسب ہے۔

۳۰۔ اگر دو کلبوں میں میچ شروع ہو گیا ہو تو ہر دو کلب میں جو نیا ممبر دورانِ میچ میں داخل ہو گا وہ اس میچ میں تپنگ نہیں لڑا سکے گا جو اسکے ممبر ہونے سے قبل شروع ہو چکا ہے۔

۳۱۔ جو کلب میچ جیت جائے اسکو لازم ہو گا کہ مغلوب کلب کا ریٹرنڈ میچ کے لیئے تاریخ اجرائے چیلنج سے ایک ماہ کے اندر اندر ضرور چیلنج منظور کر لے

البتہ تاریخ کے تقرر کا اختیار فریق غالب ہی کو ہی ہوگا۔

۳۲۔ اگر کوئی فریق وقت و تاریخ معینہ پر بلا کسی عذر معقول و جائز کے آکر پیچ نہ لڑائے تو صرف فرنٹ امپائر کی تصدیق پر اُس فریق کی شکست متصور کیجائیگی۔

۳۳۔ اگر کوئی فریق دستور و قواعد کی تمام دفعات میں سے کسی دفعہ کی خلاف ورزی میدانِ پیچ میں کریگا تو فرنٹ امپائر کو اختیار ہوگا کہ وہ ایک پیچ سے لیکر پانچ پیچوں تک اُس فریق پر جرمانہ کر سکتا ہے۔

۳۴۔ اگر ان دستور و قواعد کے خلاف کوئی نئی بات۔ پیچ کے میدان میں پیش آئے گی تو اُس کا وقتی فیصلہ صرف فرنٹ امپائر کے اختیار میں ہوگا اور آیندہ ہونیوالی پہلی میٹنگ میں اُس نئے قضیہ کے لئے ایک قاعدہ مقرر کرنا ضروری ہوگا۔

نقشہ سکوربک پتنگ بازی

گوشوارہ فتح و شکست مابین ...... کلب دہلی و ...... کلب دہلی مقام ــ ــ ــ تاریخ ...... وقت ......

نام ممبران	فتح										میزان	شکست										میزان	نتیجہ	
																								کم

فرنٹ ایمپائر کا نام و سکونت ...... ہر روز کتنے پیچ لڑے گئے فتح / شکست ...... میزان | تعداد ایام پیچ

فتح	۵	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۵	۴۰	۴۵	۵۰	۵۵	۶۰	۶۵	۷۰	۷۵	۸۰	۸۵	۹۰	۹۵	۱۰۰	
شکست	۵	۱۰	۱۵	۲۰	۲۵	۳۰	۳۵	۴۰	۴۵	۵۰	۵۵	۶۰	۶۵	۷۰	۷۵	۸۰	۸۵	۹۰	۹۵	۱۰۰	

آخری نتیجہ		

میں تصدیق کرتا ہوں کہ ممبران ...... کانٹ کلب دہلی فریق اول نے ممبران ...... کانٹ کلب دہلی فریق ثانی کے ...... پیچ زیادہ کاٹے۔

دستخط فرنٹ ایمپائر ...... دستخط کپتان فریق ثانی ......

پتنگوں کی مختلف صورتیں اور رنگ

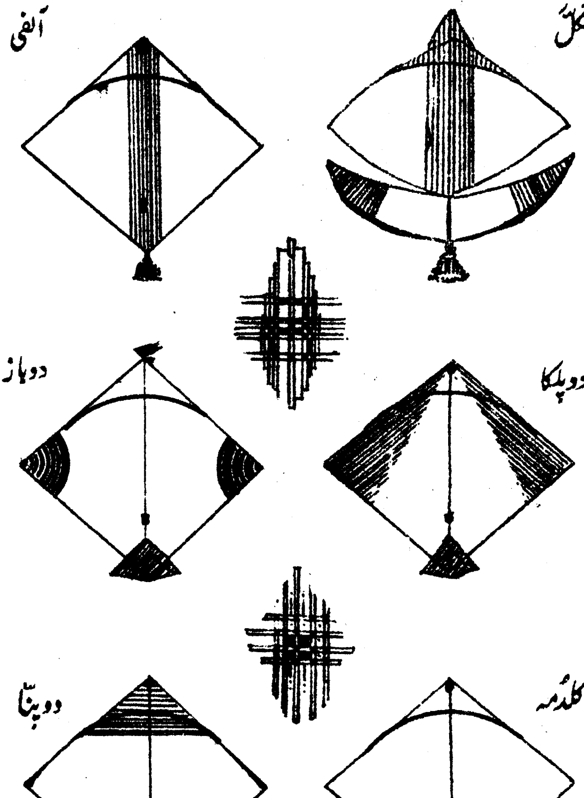

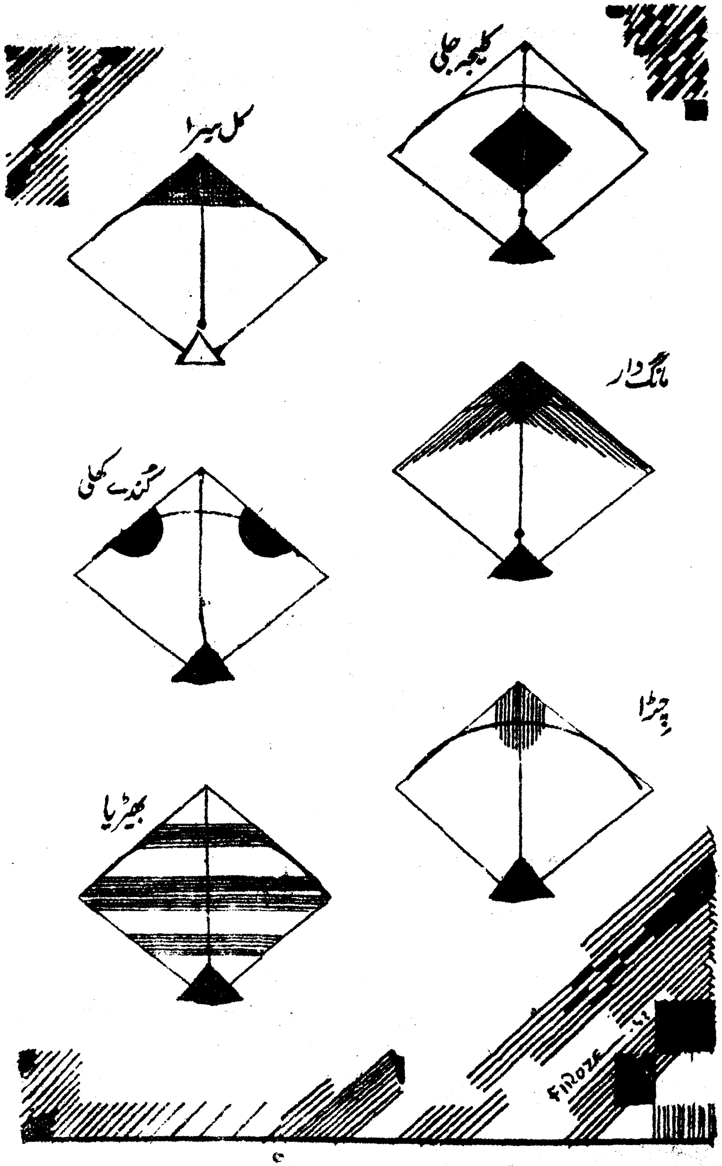
کلیجہ جلی
کل ہیرا
مانگ دار
گنڈے کھلی
چیڑا
بھیڑیا
FIROZE

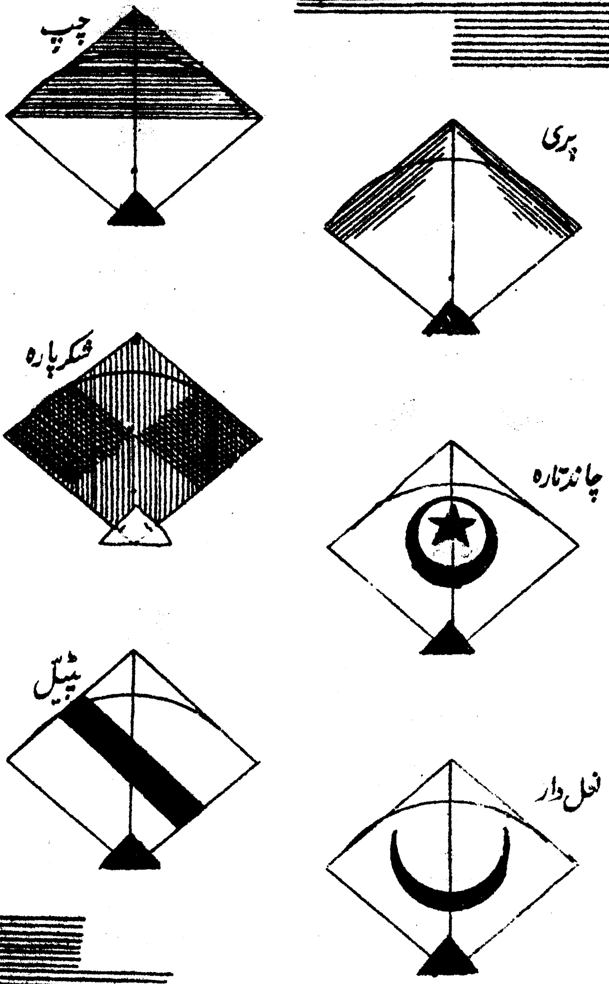

FIROZE .43

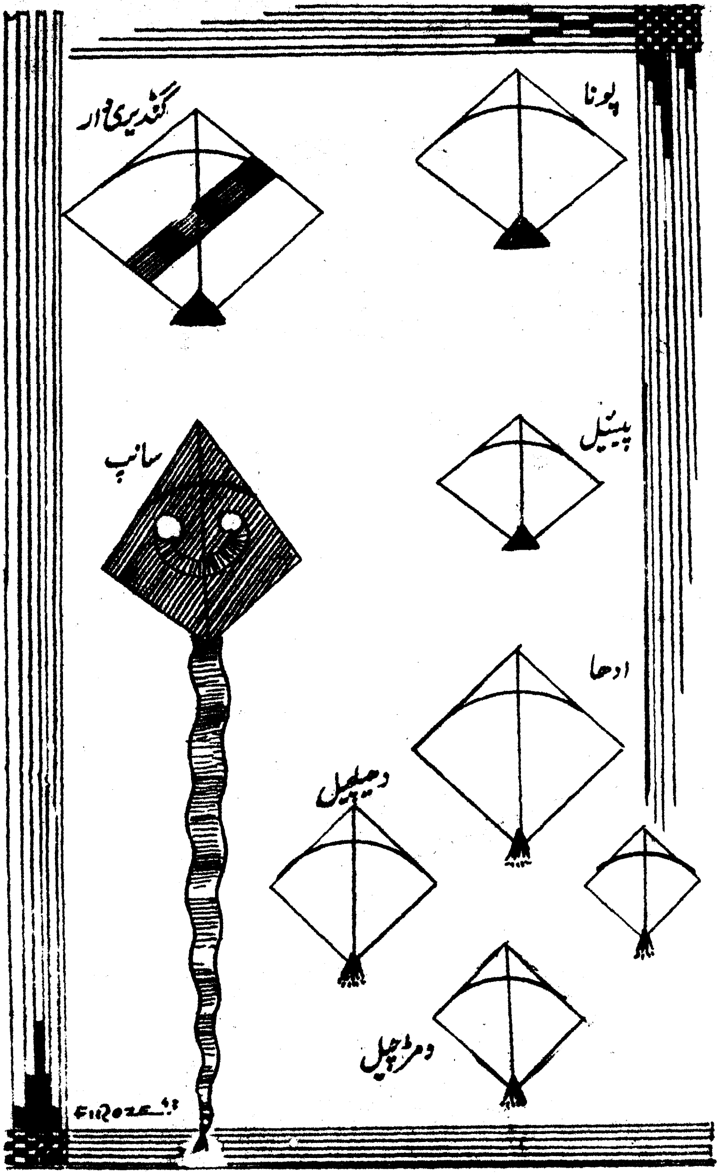
گنڈیری دار
پلونا
سانپ
پیٹیل
ادھا
دھیلیل
دمڑچیل
FIROZE

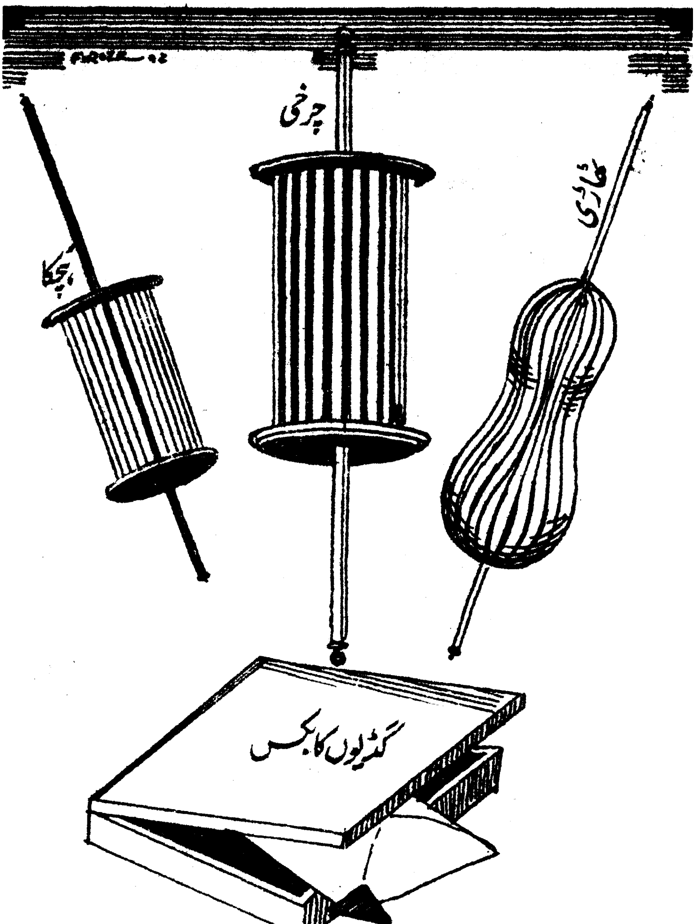

نوٹ:۔ انگارہ سُرخ رنگ کی اور بگلہ سفید رنگ کی گڈی
کو کہتے ہیں۔

اِسی مصنّف کی دُوسری کتابیں

موتی مشرق و مغرب کے علما ر ادبا اور فلاسفہ کے حکیمانہ اور شاعرانہ اقوال کا مجموعہ محکمۂ تعلیمات حیدرآباد دکن اور ریاست کشمیر سے منظور شدہ۔ ایک روپیہ

جھلکیاں۔ زندگی کی چودہ جھلکیاں، اپنی تمام تر تنوع اور رنگا رنگی کے ساتھ افسانوں کی شکل میں پیش کی گئی ہیں۔ دو روپے

آئینۂ غالب۔ غالب کے محاسن کو اس آئینہ میں دیکھئے اور اندازہ لگائیے کہ یہ فلسفی شاعر حیاتِ انسانی کے اہم مسئلوں کو کس کس طرح سلجھانے کی کوشش کرتا ہے، تمام کلام کا ایک بالکل نئے زاویۂ نگاہ سے مطالعہ کیا گیا ہے۔ زیر طبع

بازگشت۔ تاریخی۔ ادبی اور تنقیدی مضامین کا مجموعہ

دلی کے کھیل بچپن کے کھیلوں کی تاریخی حیثیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں کی اخلاقی تعلیم، جسمانی تربیت اور سماجی تعلقات کی ترقی کے لئے فی الحقیقت یہ کھیل ضروری ہیں یا نہیں۔

مطبوعات مکتبۂ جہاں نما

تلخ و شیریں ۔ از صلاح الدین صاحب قریشی ۔ ایک حسّاس دل و دماغ
زندگی کی تلخی و شیرینی سے متاثر ہوکر جو دردناک چیخ،
یا پُر مسرت قہقہہ لگاتا ہے یہ افسانے اُسی احساس
و تاثر کی تفسیر ہیں، مختلف زبانوں کے مستند
افسانہ نگاروں نے حیاتِ انسانی کے جو تاریک
اور روشن پہلو ہمارے مطالعہ کے لئے پیش کئے
ہیں۔ اُن کو اپنی زبان اور اصلی رنگ میں دیکھنا
چاہیں تو اِس مجموعہ کو ضرور پڑھیں۔ قیمت دو روپے

تصانیف اختر انصاری!

نغمۂ روح	حسین غزلوں نظموں و قطعات کا مجموعہ	ایک روپیہ
اندھی دنیا۔ اور دوسرے افسانے۔	۲۳ جدید طرز کے معیاری افسانے	ایک روپیہ چار آنے
نازو۔ اور دوسرے افسانے۔	۱۴ لطیف و رنگین شاہکار افسانے	ایک روپیہ آٹھ آنے

عرش تیموری!

قلعۂ معلی کی جھلکیاں قلعۂ معلی کے دلچسپ حالات ۔ مغل عہدِ حکومت
اور زمانۂ غدر کی مستند تاریخ آٹھ آنہ